آئینۂ اقبال

تضمینات بر کلامِ اقبال

ڈاکٹر محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاءؔ

آئینۂ اقبال

تضمینات بر کلام اقبال

ڈاکٹر محمد منشا الرحمٰن خان منشاؔ

حالاتِ مصنّف

نام و تخلص ـــــ محمد منشاء الرحمٰن خاں منشاؔ

پتہ ـــــ ۱۱۔ اسٹارکی ٹاؤن۔ ناگپور

ولادت ـــــ پیپل گاؤں راجہ ضلع بلڈانہ (مہاراشٹرا)

یکم مئی سنہ ۱۹۲۴ء

تعلیم ـــــ ایم۔ اے (اردو) ایم۔ اے (فارسی) بی ٹی۔ پی۔ ایچ ڈی

خدمات ـــــ (۱) مدرس انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں (برار)

(۲) لکچرار، گورنمنٹ ملٹی پرپز ہائی اسکول۔ ایوت محل (برار)

موجودہ خدمت ـــــ لکچرار، شعبۂ اردو و فارسی

ناگپور، مہاودیالیہ، ناگپور

تصانیف ـــــ :

* جیون ترنگ : قومی نظموں کا مجموعہ (دیوناگری میں)
* آہنگِ حیات : حیات پرور نظموں اور غزلوں کا مجموعہ
* نوائے دل : غزلیات و قطعات کا مجموعہ
* ذکرِ خوباں : نعتوں اور منقبتوں کا مجموعہ
* مطالعۂ ممنونؔ : تحقیقی مقالہ مع دیوانِ ممنونؔ
* آئینۂ اقبال : تضمینات بر کلامِ اقبالؔ
* عکسِ دوراں : نظموں اور غزلوں کا مجموعہ
* جیون جیوتی : دیوناگری میں غزلیات کا مجموعہ (زیرِ طبع)
* متاعِ ہنر : غزلوں کا مجموعہ (زیرِ طبع)

انتساب

پرستارانِ اقبالؒ
کے نام

ع بیا بمجلسِ اقبال و یک دو ساغر کش

ڈاکٹر محمد منشاء الرحمن خاں منشاء

جس کو حاصل ہی نہ ہو رعنائیٔ فکر و نظر
نکتہ ور کی بات اس پر خاک ہو گی کارگر
بھرتری کا قول ہر پہلو سے سچ ہے سر بسر
"پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر"

پیش لفظ

حضورِ اقبالؒ

اے حکیمِ نکتہ سنج و شاعرِ شیریں بیاں
زندگی کے راز تو نے کر دیئے ہم پر عیاں

تو نے حرکت کو کہا ہے روحِ رواں زندگی
کیا حسیں انداز میں تو نے دیا درسِ خودی

عشق کو تو نے بتایا وجہِ معراجِ حیات
فاش گویا کر دیئے تو نے رموزِ کائنات

کام آ کر ہی رہی آخر تری بانگِ درا
کارواں کو اس نے منزل کی طرف لپکا دیا

خوب دکھلائے ہیں تو نے جوہرِ طبعِ سلیم
شعر میں تیرے ہے پنہاں "قوتِ ضربِ کلیم"
تھی تری تخئیل میں پروازِ "بالِ جبرائیل"
لائقِ تحسیں ہے تیری ندرتِ فکرِ جمیل
کر کے خاص انداز میں تشریحِ اسرارِ خودی
مردِ حق آگاہ تو نے خوب بخشی آگہی
اے حکیمِ خوش نظر اے شاعرِ والا مقام
اہلِ مغرب کو دیا ہے تو نے مشرق کا پیام
جلوہ گر ہے تیرے ہر اک شعر میں فکرِ بلند
بحرِ بے پایاں کو تو نے کر دیا کوزہ میں بند
ہے ترا "جاوید نامہ" فکر و فن کا شاہکار
دیدنی ہے اس کے الفاظ و معانی کی بہار
تازگی پاتے ہیں اس سے دین و ایماں قلب و جاں
کس قدر پیارا ہے تیرا یہ "حجازی ارمغاں"
تو ہے علم و فضل کا اک بحرِ ناپیدا کنار
گلشنِ شعر و ادب ہے تیرے دم سے پُر بہار
بے نیازِ مدح ہے یہ فکر پیمائی تری
تا ابد قائم رہے گی یہ مسیحائی تری
"آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے"

ناظرین سے

مانا کہ علم و فن سے ہے تو خوب بہرہ ور
افلاک پہ بھی اب ترا ہونے لگا گزر
اس راز کی بھی یاں تجھے لازم ہے کچھ خبر

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

جب ہو گیا ہے اور ہی کچھ رنگِ صبح و شام
خطرہ میں آ پڑا ہے تری زیست کا نظام
رکھ دے یہ جام و ساز اُٹھا تیغِ بے نیام

یہ زورِ دست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے چنگ

خونِ دل و جگر سے ہے سامانِ حُسنِ ذات
اس کا ہی فیضِ رنگ ہے رنگینیٔ صفات
گر یہ نہیں تو زیست ہے ہم صورتِ ممات

خونِ دل و جگر سے ہے سرمایۂ حیات
فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ

○

جذب و جنونِ عشق ہے میرے تصرّفات میں
ہے میرے دم سے ہاؤ ہو میخانۂ حیات میں
مجھ سے ہے ہمہمہ تمام عالمِ ممکنات میں
میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں

خوبیٔ خاص ہے نہاں میری ہر ایک بات میں
رُتبہ عظیم ہے میرا محفلِ کائنات میں
حُسنِ عمل کا دخل ہے میرے کمالِ ذات میں
خُود و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیّلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں

فیضِ وفورِ شوق سے حوصلے ہیں میرے بلند
ڈال چکا میں بارہا ماہ و نجوم پر کمند
مجھ کو ازل سے ہے مِلا قلبِ حزین و دردمند
گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند
میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

ماہ و نجوم سے پرے میرے جنوں کی ہیں حدود
میرے ہی خونِ دل سے ہے رنگِ جہاں کی یہ نمود
میری حدیثِ عشق میں حرفِ غلط ہے فکرِ سُود
گاہ میری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی اپنے ہی توہمات میں

اپنی صفات ہی کا رنگ تو نے تو مجھ میں بھر دیا
خاک کے پُتلے کو یہ شرف کتنا بڑا عطا کیا
تجھ سے مگر مجھے گِلہ اتنا ہے اے مرے خدا
تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں

جہانِ مہر و ماہ و کہکشاں تیرا ہے یا میرا
فلک پر ہر طرف سکہ رواں تیرا ہے یا میرا
نظامِ گردشِ سیّارگاں تیرا ہے یا میرا
اگر کج رو ہیں انجم آسماں تیرا ہے یا میرا
مجھے فکرِ جہاں کیوں ہو جہاں تیرا ہے یا میرا

زہے یہ عزمِ بے پایاں خوشا یہ ہمّتِ عالی
سما سے تا سمک کوئی نہیں ہے میرا ثمثالی
یہاں تو دھوم میں نے جذب و مستی میں مچا ڈالی
اگر ہنگامہ ہائے شوق سے ہے لامکاں خالی
خطا کس کی ہے یا رب لامکاں تیرا ہے یا میرا

یہ عُقدہ کھول دے تو ہی ذرا اے دادرِ محشر
عبادت میں جسے تھی فوقیت جِن و ملائک پر
تری درگاہ میں دائم جھکا رہتا تھا جس کا سر
اُسے صبحِ ازل انکار کی جرأت ہوئی کیوں کر
مجھے معلوم کیا وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

میں بندہ ہوں تیرا اور تابعِ فرماں بھی تیرا
میرا ایمان ہے شرمندۂ احسان بھی تیرا
اجازت ہو تو پوچھوں تجھ سے رکھ کر ماں بھی تیرا
محمدؐ بھی تیرا جبرئیل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

فرازِ چرخ سے بھی تھا پرے جس کا کبھی مسکن
نظر سے گر کے تیری وہ زمیں پر آ رہا فوراً
ستاروں پر دمک اس کی مگر ہے آج خندہ زن
اُسی کوکب کی تابانی سے ہے تیرا جہاں روشن
زوالِ بندۂ خاکی زیاں تیرا ہے یا میرا

عارضِ گلعذار کو اور بھی گلعذار کر
دیدۂ برق بار کو اور بھی برق بار کر
ہاں اے حریفِ جسم و جاں اور بھی بڑھ کے وار کر
گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
قلب و نظر شکار کر، ہوش و خرد شکار کر

تیرے کمالِ حُسن کا فیضِ رواں ہے چار سُو
پھیلی ہوئی ہے ضَو تری کوچہ بہ کوچہ کو بہ کو
میری بساطِ دید پر چھایا ہوا ہے تو ہی تو
تو ہے محیطِ بیکراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہمکنار کر یا مجھے بے کنار کر

قلبِ جنوں سوار اگر میرے نصیب میں نہیں
دامنِ تار تار اگر میرے نصیب میں نہیں
کیفیتِ خمار اگر میرے نصیب میں نہیں
نغمۂ نوبہار اگر میرے نصیب میں نہیں
اس دمِ نیم سوز کو طائرکِ بہار کر

روزِ ازل ہی فیصلے تو نے جو کر دیئے اٹل
حکم کے سامنے ترے چلتا نہیں کسی کا بَل
اپنے عمل پہ اختیار مجھ کو نہیں جو ایک پل
روزِ حساب جب میرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

سَودا عزیز ہو جسے مجھ کو وہ سر دیا تھا کیوں
خطروں سے کھیلتا ہو جو ایسا جگر دیا تھا کیوں
میرے جنوں کو فرصتِ عرضِ ہنر دیا تھا کیوں
باغِ بہشت سے مجھے حکمِ سفر دیا تھا کیوں
کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر

جنسِ عزیز ہے مجھے قلب و نظر کی آبرو
حُسنِ عمل کی آبرو، سوزِ جگر کی آبرو
ہے تیرے اختیار میں میرے ہنر کی آبرو
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو
میں ہوں خذف تو تو مجھے گوہرِ شاہوار کر

چشم ہے وقفِ انتظار، قلب ہے پیچ و تاب میں
لمحہ بہ لمحہ روز و شب جان ہے اضطراب میں
پردہ میں رہ کے یوں مجھے ڈالا ہے کیوں عذاب میں
حُسن بھی ہو حجاب میں عشق بھی ہو حجاب میں
یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر

عطا ہوا ہے ازل سے مجھے دلِ ناشاد
متاعِ درد و الم بھی ملی ہے حسبِ مراد
نہ مجھ پہ کر اے خدا اجتناب کی بیداد
اثر کرے نہ کرے سُن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کی طالب طبیعتِ آزاد

وہ جس کے دل کا مقدر ہے جذبِ آتشناک
نہ جانے کیوں اسے بخشا ہے دیدۂ نمناک
ترا یہ رازِ مشیت نہ پا سکی ادراک
یہ مشتِ خاک یہ صرصر یہ وسعتِ افلاک
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجاد

پلک جھپکتے ہی بدلا کچھ ایسا نقشۂ گُل
پڑا ہے صحنِ گلستاں میں ایک تودۂ گُل
اُبھر کے پست ہوا آن بھر میں شعلۂ گُل
ٹھہر سکا نہ ہوائے چمن میں خیمۂ گُل
یہی ہے فصلِ بہاری یہی ہے بادِ مراد

گذر رہے ہیں گو مشکل سے زندگی کے دن
مرا ہی دم ہے فروغِ حیات کا ضامن
مجھی سے ہو گئی آبادئ جہاں ممکن
تصور دار غریب الدیار ہوں، لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

میرے ہی خونِ جگر سے یہاں اُجالا ہے
جوابِ شمس و قمر ایک ایک ذرّہ ہے
میری ہی کوششِ پیہم کا یہ نتیجہ ہے
مری جفا طلبی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیاد

یہ میں نے مانا کہ ہے سجدہ ریز اُن کی جبیں
بجا کہ شغل ہے ان کا طوافِ عرشِ بریں
بغیر ایک دلِ درد مند و جانِ حزیں
مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
اُنھیں کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

جنوں کیا میرا آفاقی نہیں ہے
مری فطرت میں خلاقی نہیں ہے
یا مجھ میں سوزِ مشتاقی نہیں ہے
ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے

کوئی شے مجھ کو ملتی ہے اگر کم
مجھے آتا نہیں قسمت پہ ماتم
تنک بخشی کا تیری کچھ نہیں غم
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

یہ حوصلہ تو دیکھ دلِ بے قرار کا
شیدا بنا ہے تیرے غمِ بے شمار کا
اندیشہ ہے مگر مجھے انجامِ کار کا
کیا عشق ایک زندگیٔ مستعار کا
کیا عشق پائیدار سے اک ناپائیدار کا

نابود جس کو پل میں بنا دے اجل کی پھونک
جس کے وجود ہی کو مٹا دے اجل کی پھونک
مٹی بنا کے جس کو اڑا دے اجل کی پھونک
وہ عشق جس کی شمع بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزہ نہیں تپش و انتظار کا

چشمِ خیال میری ہے کہنے کو دُور رس
رازِ وجود تک بھی نہیں میری دسترس
موت و حیات پر میرا چلتا نہیں ہے بس
میری بساط کیا ہے تب و تابِ یک نفس
شعلہ سے بے محل ہے اُلجھنا شرار کا

کر تو دیا مجھے جگرِ خونچکاں عطا
اور پھر ہوا ہے اس پہ غمِ بیکراں عطا
جو خاص چیز تھی وہ ہوئی ہے کہاں عطا
کر پہلے مجھ کو زندگیٔ جاوداں عطا
پھر ذوق و شوق دیکھ دلِ بے قرار کا

میں ڈرتا ہوں محبت میں نہ پھر وہ مرحلہ آئے
فقط جس کے تصور ہی سے جاں رہ رہ کے گھبرائے
یہ اندیشہ ستاتا ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے
پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے

نہ پھر مجھ کو کہیں منجملۂ اہلِ جنوں سمجھیں
کوئی الزام تازہ میرے سر آخر نہ پھر رکھ دیں
جمالِ یار کی مستی میں جب ڈوبا ہوا دیکھیں
نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مرا سوزِ دروں پھر گرمئ محفل نہ بن جائے

تڑپ منزل اسی کی راہ پر لاتی ہے راہی کو
سرِ منزل کشش منزل کی پہنچاتی ہے راہی کو
لگن کچھ منزلِ نو کی بھی تڑپاتی ہے راہی کو
کبھی چھوڑی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو
کھٹک سی ہے جو سینہ میں غمِ منزل نہ بن جائے

بفیضِ غم ملی ہے دولتِ سوزِ نہاں مجھ کو
بنامِ عشق ہاتھ آیا ہے قلبِ خونچکاں مجھ کو
گراں معلوم ہوتی ہے حدِ کون و مکاں مجھ کو
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہ داری مرا ساحل نہ بن جائے

مہ و انجم کو ذراتِ زمیں نیچا دکھاتے ہیں
فلک والے زمیں والوں سے اب آنکھیں چراتے ہیں
نہیں معلوم یہ آثار کیا کیا رنگ لاتے ہیں
عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہِ کامل نہ بن جائے

زمانے کی نظر میں جو مصیبت خیز ہے ساقی
ترا وہ غم حقیقت میں نشاط انگیز ہے ساقی
جدھر دیکھو اُدھر اک شورِ محشر خیز ہے ساقی
دِگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی
دلِ ہر ذرّہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی

محبت میں تھی پنہاں برتری اللہ والوں کی
نمونہ تھی جہاں میں زندگی اللہ والوں کی
کہاں اگلی سی اب حالت رہی اللہ والوں کی
متاعِ دین و دانش لُٹ گئی اللہ والوں کی
یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی

لگی ہے آگ ہر سُو خندۂ گُل کے شراروں سے
دمک اُٹھی جبینِ آسماں روشن ستاروں سے
چمن کی ہر روش رنگیں ہوئی رنگیں نظاروں سے
نہ اُٹھا پھر کوئی رومیؔ عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی

کمی جب سے ہوئی دل میں متاعِ جذبِ کامل کی
نہ ہیں طوفاں کے ہنگامے نہ ہے رونق ہی ساحل کی
نہ شورِ ہا و ہو باقی نہ زینت ہے وہ محفل کی
وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

جنونِ شوق سے جب تک کوئی رشتہ نہیں ہوتا
شریکِ حال فیضِ عشق بے پروا نہیں ہوتا
وہ سر کیا جس میں جذبِ عشق کا سودا نہیں ہوتا
حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
کہ شیدائی تراب تک حجاب آمیز ہے ساقی

اُٹھے گا سیلِ رنگ و بو اسی صحنِ گلستاں سے
دمک اٹھیں گے پھر غنچے، تبسم ہائے پنہاں سے
بہاروں کا سماں ہوگا ہویدا پھر خیاباں سے
نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

عزائم ہیں مرے مشتاق زمانے بھر میں لاثانی
مرے سوزِ دروں سے ہے ستاروں کی درخشانی
جہانِ خشک و تر کی ہے مرے ذمّہ نگہبانی
فقیرِ راہ کو بخشے گئے اسرارِ سلطانی
بہا میری نوا کی دولتِ پرویز ہے ساقی

جو واقف ہو محبت کے چلن سے
وہ گھبراتا نہیں رنج و محن سے
خرد والوں سے نہ اربابِ فن سے
یہ نکتہ میں نے سیکھا ابوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے

کلی فطرت سے گر روٹھی رہے گی
تبسّم کو ترستی ہی رہے گی
بالآخر روشنی جاتی رہے گی
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے

یہی سرتاج ہے کیا دنیا بھر کا؟
یہی صیاد ہے شمس و قمر کا؟
اسی کو دعویٰ ہے ذوقِ نظر کا؟
یہی آدم ہے سلطاں بحر و بر کا؟
کہوں کیا ماجرا اس بے بصر کا!

خرد پر جو ہے محوِ ناز و تمکیں
جو رہتا ہے اسیرِ ظن و تخمیں
جسے آئے نہیں جینے کے آئیں
نہ خود بیں نے خدا بیں نے جہاں بیں
یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا

وہ جس کی یاد مرے دل میں پا رہی ہے نمو
اسی کے عشق میں ڈوبا ہے میرا ہر بنِ مُو
وہ جیسے میری رگوں میں رواں ہے بن کے لہو
مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لَا اِلٰہ اِلَّا ھُو

بہ رُوئے گُل یہ نسیمِ سحر ہے اس کا نقاب
انہی میں دیکھتا ہوں اس کو میں بغیر حجاب
مرے لئے تو ہے کافی یہ دولتِ نایاب
نہ مے نہ شعر نہ ساقی نہ شورِ چنگ و رُباب
سکوتِ کوہ و لبِ جُو و لالۂ خود رَو

جنونِ شوق کی ادنیٰ کرشمہ سازی دیکھ
فروغِ جذبۂ دل کی فسوں طرازی دیکھ
اس اہلِ دل کا ذرا وصفِ امتیازی دیکھ
گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

بہت ہے کثرتِ رنداں شراب خانے میں
کشادہ دل بھی ہے ساقی بہت پلانے میں
نہیں ہے باک مجھے بات یہ بتانے میں
مرا سبو چہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

نہ جانے فرطِ جنوں میں کرے یہ کیسی خطا
بھروسہ اپنی نظر پہ مجھے نہیں ہے ذرا
اسی لئے تو ہے اے دوست مشورہ میرا
میں نو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہے اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو

عجیب شان کا حامل ہے گوہرِ یکتا
چمک دمک میں نہیں ہے کوئی جواب اس کا
یہ وصف ذاتی کے باعث ہی بے بہا ٹھیرا
اگرچہ بحر کی موجوں میں ہے مقام اس کا
صفائے پاکیٔ طینت سے ہے گہر کا وضو

یہ دیکھتی ہے بہر رنگ حُسن کے جلوے
ہے کائنات مجسّم جمال اس کے لیے
وہ ہوں نجومِ فلک یا زمین کے ذرّے
جمیل تر ہیں گُل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہِ شاعرِ رنگیں نوا میں ہے جادُو

یہ میرا ہی جگر ہے، اور میری حوصلہ مندی
جیے جاتا ہوں گو جینے پہ ہے ہر طرح پابندی
تصدق اس غمِ ہستی پہ دو عالم کی خرسندی
متاعِ بے بہا ہے سوز و سازِ آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

کرم فرمائی تیری کم نہیں ہے ہم پہ اے مولا
ترے لطف و کرم سے ہیں مہیا نعمتیں کیا کیا
تری اس مصلحت سے ہے ہمیں لیکن بڑا شکوہ
ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دُنیا نہ وہ دُنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

نہیں ہے چین پل بھر کے لئے حاصل طبیعت کو
ترستی ہیں، بڑی حسرت سے آنکھیں تیری صورت کو
دعا دیتا ہوں میں تیری حجاب آمیز فطرت کو
حجاب اکسیر ہے آوارۂ کوئے محبت کو
مری آتش کو بھڑکاتی ہے تیری دیر پیوندی

نہ دیکھا آشیاں اس کا کبھی صحنِ گلستاں میں
اسے زیبا نہیں جینا فضائے شبنمستاں میں
کہاں اس کی سی خو بو طائرانِ نغمہ سنجاں میں
بسر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے ذلت ہے کارِ آشیاں بندی

جہاں میں یادگارِ عشق و اُلفت ہے لحد میری
برائے چشمِ بینا جائے عبرت ہے لحد میری
حقیقت میں مقامِ رشک و حسرت ہے لحد میری
زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاکِ راہ کو میں نے بتایا رازِ الوندی

شریکِ حال تہذیب نظر جب تک نہیں ہوتی
مکمل شخصیت انسان کی ہونے نہیں پاتی
خرد والے سمجھ سکتے نہیں یہ بات حکمت کی
یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

زباں سے اپنے گن گانے کی کیا حاجت ہے موتی کو
نظر والے پرکھتے ہیں بخوبی اس کی خوبی کو
سجاتا بھی ہے کوئی چاند کی شکلِ عروسی کو
مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنیٰ کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

○

اے زہے فسوں طرازی، اے خوشا نظر نوازی
ترے عشق سے ملا ہے مجھے لطفِ دلگدازی
ترا شیوہ دل ستانی، مرا کیش غم نوازی
وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نے نوازی

تجھے یہ گماں کہ جلوہ ترا چشم سے نہاں ہے
مجھے یہ یقیں کہ جلوہ مرے چشم پر عیاں ہے
میں تجھے نہ پاسکوں گا کہ حجاب درمیاں ہے
میں کہاں ہوں تو کہاں ہے یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی

مجھے یاد آرہی ہیں مری بے کلی کی راتیں
وہی بے کسی کی راتیں وہی بے بسی کی راتیں
وہی سرخوشی کی راتیں وہی شاعری کی راتیں
اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی، کبھی پیچ و تابِ رازی

وہ صف ربودہ شاہیں کہ رہا ہو کرگسوں میں
وہ جگر شکستہ شاہیں کہ پڑا ہو کرگسوں میں
وہی پر بریدہ شاہیں کہ پھنسا ہو کرگسوں میں
وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

ذرا کام میں جو لاؤں مرا جذبۂ باثر میں
مڑے اس طرف زمانہ کروں اپنا رُخ جدھر میں
یہ زمانہ جانتا ہے کہ ہوں صاحبِ ہُنر میں
نہ زباں کوئی غزل کی، نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دلکشا صدا ہو عجمی ہو یا کہ تازی

مجھے ہاتھ گر نہ آتا دلِ پاک باز ایسا
میں جہاں میں پھر نہ ہوتا کبھی سرفراز ایسا
جو سمجھ میں ہی نہ آئے نہیں ہے یہ راز ایسا
نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہہ کی تیغ بازی

ہمیں بھی محرمِ رازِ بقا کر
سراپا جذبِ تسلیم و رضا کر
کرم بھرپور اتنا اے خدا کر
دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر

بہت احساں ہیں یوں ہم پہ تیرے
ترے لطف و کرم سے ہم ہیں جیتے
دعائے دل مگر اتنی بھی سن لے
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

علاجِ سوزِ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
متاعِ راحتِ جاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
ہے کتنا فیض رساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
خودی کا سرِّ نہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
خودی ہے تیغ فساں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

نئے زمانے میں برپا ہوئے ہیں وہ فتنے
خیال و خواب میں بھی جو کبھی نہیں آئے
خود اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے بتوں کیلئے
یہ دَور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

عزیز تر تجھے ہوتی تھی دولتِ عقبیٰ
تو بن گیا ہے کیوں دنیا کی حرص کا بندہ
نہ جانے ہوش و خرد کو ترے ہوا ہے کیا
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ

نصیب ہو جسے ایمان و حوصلہ کی کمند
اسی کو ملتا ہے ہر حال میں مقام بلند
جو محوِ الفتِ دنیا رہے اُٹھائے گزند
یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ

جہاں کو لاکھ دکھائے یہ اپنی فن کاری
جنوں کے آگے ہے سب ہیچ اسکی ہشیاری
ہے یہ تو اصل میں علم و شعور سے عاری
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زنّاری
نہ ہے زماں نہ مکاں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ

غبارِ بغض و عداوت بھرا ہے سینوں میں
نہیں ہے رنگِ وفا جینے کے قرینوں میں
حقیقی رُوح بھی باقی نہیں ہے دینوں میں
اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ

نمودِ حُسن میں ہوتا نہیں حَسیں پابند
جمال پاشی میں کب ہے مہِ مُبیں پابند
رہا ہے نعرۂ حق بھی بھلا کہیں پابند
یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ

○

افکار پہ چھاتا ہے جب رنگِ
مسلمانی
کردار میں آتی ہے تابانیٔ
لاثانی
دانش کی تجلّی بھی ہے رحمتِ
یزدانی
اک دانشِ نورانی، اک دانشِ
برہانی
ہے دانشِ برہانی حیرت کی
فراوانی

دراصل مری ہستی ہے رقصِ
شرر جیسی
اس پر یہ جگر کاوی، رنجوری و
دلسوزی
کس سے میں کہوں اپنی یہ شدّتِ
مجبوری
اس پیکرِ خاکی میں اک شئے ہے
سو وہ تیری
میرے لئے مشکل ہے اس شئے کی
نگہبانی

محدود تھی لے میری بس اپنے ہی یاروں تک
کچھ سینہ فگاروں تک، کچھ درد کے ماروں تک
پھر جھوم کے یہ نکلی محفل سے دیاروں تک
اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی

تو فطرتِ بشری میں ہے جز کی طرح شامل
انساں تو ازل ہی سے تخریب کا ہے قائل
پھر تیری مشیت ہے تخلیق یہ کیوں مائل
ہے نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل
کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی

ہیں آرزوئیں کتنی اک دل میں خدا جانے
بت کتنے تراشے ہیں جینے کی تمنا نے
یہ امر حقیقت ہے تو مانے یا نہ مانے
تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
دونوں کے صنم خاکی دونوں کے صنم فانی

یہ موسم یہ فضا یہ کوہ و دشت و وادی و دریا
نہیں معلوم کیوں ان سب میں میرا جی نہیں لگتا
بہت سوچا تو اب جا کر سمجھ میں آیا ہے منشا
سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا

اسی کے ہاتھوں ہم ٹوٹا مقدر جوڑ سکتے ہیں
اسی سے وقت کے دھارے کا رُخ بھی موڑ سکتے ہیں
اسی کے واسطے سارے جہاں کو چھوڑ سکتے ہیں
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

کئی پردوں میں پوشیدہ عروسِ نورِ نزہت ہے
کہیں ناروں کی نالش ہے کہیں پھولوں کی رنگت ہے
نظر ہو تو بہر سو جلوہ آرا حُسنِ قدرت ہے
نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

تلاشِ حق میں سرگرداں ہیں دونوں عالم و صوفی
نگاہ و دل کو مصروفِ عمل رکھتے ہیں دونوں ہی
سنورتے ہیں انہی دونوں کے ہاتھوں گیسوئے گیتی
رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سُولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

شمار ہوتا ہے اس کا جوہرِ وصفِ گرامی میں
اسی کے دم سے ہوتا ہے اضافہ نیک نامی میں
یہ ہوتا ہے تو شک رہتا نہیں اعلیٰ مقامی میں
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنار

خیالِ یار میں بھی فکر رہتی ہے مجھے اپنی
ترے بس کی نہیں یہ آگہی آہستہ سر مستی
جنونِ شوق میں ہوتی ہے کچھ درکار محنت بھی
نہ کر تنقید اے جبرئیل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

کئی ہیں ایسے اہلِ علم و دانش جانے پہچانے
کہ جن سے حسبِ منشا فیض پایا اہلِ دنیا نے
حقیقت مجھ کو کہنی ہے کوئی مانے یا نہ مانے
بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا

جو خاکی ہو کے بھی تھے صاحبِ اوصافِ ملکوتی
تھی فخر و نازشِ انسانیت ہر اک ادا جن کی
فقیری میں بھی جو کرتے رہے ہیں شان سے شاہی
نہ ایراں میں رہے باقی نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ

قدم پستی کی جانب جب کبھی انساں بڑھاتا ہے
تو فرطِ شرم سے شیطاں بھی اپنا سر جھکاتا ہے
کسی کا ذکر کیا، اپنوں کا عالم خوں رُلاتا ہے
یہی شیخِ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیمِ بوذرؓ و دلقِ اویسؓ و چادرِ زہرا

زمیں والوں سے کی تھی بات میں نے جذب و مستی کی
زمیں سے لے کے اس کی دھوم بامِ عرش تک پہنچی
جو میری شعر گوئی کی خبر اُڑتی ہوئی سُن لی
حضورِ حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا

نہاں اقبال کے ہر شعر میں آتش فشاں غم ہے
مزاجِ دو جہاں اس کے سخن سے برہم ہے
جدھر دیکھو اُدھر برپا قیامت کا سا عالم ہے
ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا

کھنکنے کو کھنکتے ہیں بہر سو جام پے در پے
بہر محفل بہت ہوتے ہیں چرچے کیف و مستی کے
اسی باعث تو میکش پی کے بھی پیاسے کے پیاسے
لبا لب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلّا

یہاں لحظہ بہ لحظہ سر اُٹھاتے ہیں نئے فتنے،
کئی انساں روز و شب پریشاں رہتے ہیں جن سے
نہ جانے زوردار آواز واویلے کی کب اُٹھے
دبا رکھا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دستی نے
بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واویلا

گُلِ نازک کبھی ہوتے ہیں مثلِ تیغِ برّاں بھی
ہے مضمر لطف کی چیزوں میں بربادی کے ساماں بھی
وہ دریا جس کی تہ میں موجزن رہتا ہے طوفاں بھی
اسی دریا سے اُٹھتی ہے وہ موجِ تندِ جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

سکھاتی ہے غلامی حوصلہ زائی سے محرومی
اسی سے ہوتی ہے ایقاں کی برنائی سے محرومی
نتیجہ ہے اسی کا دل کی رعنائی سے محرومی
غلامی کیا ہے ذوقِ حُسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا

۲۰

مذاقِ دید سے محروم جو ہوتے ہیں سرتاسر
کہاں سے لائیں وہ نقد و نظر کا دلنشیں جوہر
نظر آتے ہیں کنکر بھی انھیں ہم پایۂ گوہر
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا

سمجھتے ہیں وہی اپنا مقدّر علم و حکمت سے
شعورِ زیست ہو جن کو مہیّا فیضِ قدرت سے
شرف یہ مل نہیں سکتا زر و دولت کی کثرت سے
وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمّت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

نئی تہذیب رکھتی ہے کچھ ایسی جلوہ سامانی
کہ جس کو دیکھ کر ہوتی ہیں نظریں غرقِ حیرانی
بہت بڑھتی چلی ہے علم و دانش کی فراوانی
فرنگی شیشہ گر کے فن سے پتّھر ہو گئے پانی
مری اکسیر نے شیشے کو بخشی سختیٔ خارا

مٹانے کی مجھے ہر دم ہوئی ہیں کوششیں انتھک
مرا یہ جرم ہے کہ حق پرستی ہے مرا مسلک
لئے ہاتھوں میں اپنے جان لیوا تیر اور ناوک
رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے یدِ بیضا

زمانہ مجھ پہ جتنا چاہے ظلمِ ناروا ڈھائے
ہمیشہ نت نئے ظلم و ستم سے خوف پھیلائے
نہیں ممکن کہ جوشِ دل میں میرے کچھ کمی آئے
وہ چنگاری خس و خاشاک سے کس طرح دب جائے
جسے حق نے کیا ہو نیستاں کے واسطے پیدا

خرد کی طرح گو آتی نہیں ہے اس کو عیاری
بالآخر رنگ لاتی ہے محبت کی فسوں کاری
محبت کو سمجھنے میں نہیں ہے کوئی دشواری
محبت خویشتن بینی محبت خویشتن داری،
محبت آستانِ قیصر و کسریٰ سے بے پروا

عزائم کی بدولت جو فرازِ چرخ پر چھائیں
پرِ پرواز پر اپنے وہ کیوں نہ ناز فرمائیں
مرے قدموں تلے اعلیٰ فضائیں جب چلی آئیں
عجب کیا گر مہ و پروین مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را

لبِ عالم پہ ہیں جس کی صفات و ذات کے چرچے
سکھائے ہیں سلیقے جس نے انسانوں کو جینے کے
بہارِ زیست ہے جس کے وجودِ پاک کے دم سے
وہ دانائے سُبل ختم الرسل مولائے کُل جس نے
غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

جو اُمّی ہو کے رکھتا تھا نگاہِ کامل و ماہر
تھا قول و فعل جس کا ہر طرح پاکیزہ و طاہر
مثالِ آئینہ روشن ہے جس کا باطن و ظاہر
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

خوشا یہ بحرِ ناپیدا کنار الفاظ و معنی کا
بنامِ شعر رازِ زندگی کھولے گئے کیا کیا
بقولِ حضرتِ اقبالؔ سچ تو ہے یہی منشاؔ
سنائی کے ادب سے میں نے غوّاصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

فخرِ زماں ہے تو کہ میں، نازِ مکاں ہے تو کہ میں
خالقِ کائنات کا رازِ نہاں ہے تو کہ میں
کُن فیکوں کی اصل میں روحِ رواں ہے تو کہ میں
عالمِ آب و خاک و باد، سِرِّ عیاں ہے تو کہ میں
وہ جو نظر سے ہے نہاں اس کا جہاں ہے تو کہ میں

شدّتِ کلفت و الم کہتے ہیں زندگی جسے
پے بہ پے یورشِ ستم کہتے ہیں زندگی جسے
کثرتِ آہ و چشمِ نم کہتے ہیں زندگی جسے
وہ شبِ درد و سوز و غم کہتے ہیں زندگی جسے
اس کی سحر ہے تو کہ میں، اس کی اذاں ہے تو کہ میں

کس کے وجود کے لئے یہ بحر و بر ہیں گرمِ سیر
کس کے سجود کے لئے شمس و قمر ہیں گرمِ سیر
کس کے سرود کے لئے قلب و نظر ہیں گرمِ سیر
کس کی نمود کے لئے شام و سحر ہیں گرمِ سیر
شانۂ روزگار پر بارِ گراں ہے تو کہ میں

رنگینیٔ حیات ہے میری نظر پہ منحصر
میری نظر ہے واقفِ اسرارِ نظمِ بحر و بر
کون و مکاں کے راز سے میری نظر ہے باخبر
تو کفِ خاک و بے بصر میں کفِ خاک خود نگر
کشتِ وجود کے لئے آبِ رواں ہے تو کہ میں

ذوقِ نظر بلند رکھ، جلوۂ عام سے گزر
کیف و نشاطِ زیست کی حسرتِ خام سے گزر
گرمِ سفر مدام رہ، فکرِ قیام سے گزر
تو ابھی رہ گزر میں ہے قیدِ مقام سے گزر
مصر و حجاز سے گزر پارس و شام سے گزر

لذّتِ سرخوشی ہے اور غم کا مزہ کچھ اور ہے
کذب و ریا ہے اور شئے صدق و صفا کچھ اور ہے
حاصلِ جذب و مستیٔ اہلِ وفا کچھ اور ہے
جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

رشکِ مہِ تمام ہے اس کی جبینِ تاب دار
رہزنِ قلب و ہوش ہے اس کا جمالِ نور بار
اس کی نگاہ پُر خمار، اس کا شباب سحر کار
گرچہ ہے دلکشا بہت حُسنِ فرنگ کی بہار
طائرکِ بلند بال، دانہ و دام سے گزر

اصل میں بے نظیر ہے تیرا وفورِ شوق و جذب
تیرے ہی دم سے زندہ ہے نام مذاقِ حرب و ضرب
عزم کو تیرے سرنگوں کر نہیں سکتے رنج و کرب
کوہ شگاف تیری ضرب، تجھ سے کشادِ شرق و غرب
تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے گزر

تجھ کو ڈبو نہ دے کہیں کثرتِ علم کا غرور
تیرا دماغ ہو نہ جائے نشۂ آگہی میں چُور
صدق و خلوص کے بغیر "بندگی" عقل کا فتور
تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

پھر مہک اُٹھے ہیں ہر سُو یاسمین و نسترن
صحنِ گلشن بن گیا پھر غیرتِ خُلدِ عدن
پھر بہار آتے ہی خار و گُل نے پایا بانکپن
پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

اُف یہ سیلِ رنگ و بو یہ جوششِ فصلِ بہار
یہ فضائے رُوح پرور یہ ہوائے خوشگوار
آگیا دشت و چمن میں آج ہر شئے پر نکھار
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

دیدہ و دل کو میسر ہو نہ جب تک روشنی
ہے فروغِ علم و دانش تیرگی ہی تیرگی
پھر رہا ہے کو بہ کو کیوں اے اسیرِ آگہی
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

دل کو جب تک آرزوئے عشق گرماتی نہیں
زندگی تکمیل کی صورت کبھی پاتی نہیں
یوں بہ آسانی کسی کے ہاتھ یہ آتی نہیں
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

حفظِ ناموسِ خودی ہے ضامنِ تزئینِ ذات
اس کے دم سے آدمی پاتا ہے یزدانی صفات
میں طوافِ غیر کو سمجھا تھا منشائے حیات
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے تو من تیرا نہ تن

( )

عشق کی مستی پہ قرباں سطوتِ دارا و جم
دل کے حق میں کیمیا ہے عشق کا ہلکا سا غم
عشق سر تا پا عنایت، عشق سر تا پا کرم
عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویر دل میں سوزِ دمبدم

حق پرستوں کے دلوں میں جب جگہ پاتا ہے عشق
قیصر و فغفور کے تاجوں کو ٹھکراتا ہے عشق
کون کہتا ہے فقط سینہ کو گرماتا ہے عشق
آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شاخِ گُل میں جس طرح بادِ سحرگاہی کا نم

رات دن کرتے ہیں جو اندیشۂ پیکانِ موت
ہر نفس ان کے لئے ہوتا ہے اک فرمانِ موت
دل اگر آزاد ہے کیا خطرۂ امکانِ موت
دل کی آزادی شہنشاہی شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

○

انھیں رعنائیِ فکر و نظر دے
خلوص جذب و عزمِ معتبر دے
متاعِ کثرتِ سوزِ جگر دے
جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے

تری دریا دلی تو دائمی ہے
خزانے میں بھی تیرے کیا کمی ہے
میری بس یہ تمنائے دلی ہے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

بفضلِ دیدۂ بینا، بفیضِ نظرِ عمیق
مرے مذاقِ تجسس نے کی ہے یہ تحقیق،
یہی ہے حاصلِ کردارِ حیدرؓ و صدیقؓ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

اسی سے آتی ہے فکر و نظر میں تابانی
اسی سے خاک نشیں کرتے ہیں جہانبانی
اسی سے پاتا ہے انساں صفاتِ یزدانی

اگر ہے عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

یہ ہم نے مانا خبیر و بصیر ہے آدم
شعور و فہم میں آفاق گیر ہے آدم
ہزار اگرچہ ترقی پذیر ہے آدم
اسی طلسم کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کے ہیں اب تک، بتانِ عہدِ عتیق

بجا کہ جادۂ ایماں کے ہیں نشاں بھی بہت
طریقِ عرضِ عقیدت میں بے گماں بھی بہت
خلوص ہو تو ہے اک جنبشِ زباں بھی بہت
مرے لئے تو ہے اقرار باللساں بھی بہت
ہزار شکر کہ ملّا ہیں صاحبِ تصدیق

خودی زمانہ پرست و زمانہ ساز نہیں
اسیرِ دامِ تمنّا و حرص و آز نہیں
یہ شوخ تو ہے مگر شوخِ فتنہ باز نہیں
خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز بھی ہو تو بے لذّتِ نیاز نہیں

بھرے چمن میں گُل و غنچہ کی تلاش میں ہے
صبا یہ کس کے رُخِ زیبا کی تلاش میں ہے
ہمیشہ تازہ ستم پیشہ کی تلاش میں ہے
نگاہِ عشق، دلِ زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

جو بات کہتا ہوں ہوتی ہے درد میں ڈوبی
ہے میری طرزِ سخن میں یہی تو اک خوبی
یہ جا کے چھوتی ہے دل کو بصد خوش اسلوبی
مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی
کہ بانگِ صورِ اسرافیل دلنواز نہیں

مزے اُٹھاتا ہوں خود قلب کی ترنگ سے میں
سُرور پاتا ہوں آپ اپنی ہی اُمنگ سے میں
سحر زدہ نہیں ہوں اس کے رُوپ رنگ سے میں
سوالِ مئے نہ کروں ساقیٔ فرنگ سے میں
کہ یہ طریقۂ رندانِ پاک باز نہیں

مسلّم اپنی جگہ ہے جلال و سطوتِ عشق
ہے کون جس کو نہیں اعترافِ عظمتِ عشق
ہر ایک ذرّہ ہے یوں تو اسیرِ شوکتِ عشق
ہوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومتِ عشق
سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں

خوشا یہ کثرتِ رنج والم یہ غم کا وفور
اسی سے ہوتا ہے حاصل مجھے عجب سُرور
نہیں ہے دل کو میسّر ذرا قرار و صبور
اک اضطرابِ مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو میری داستاں دراز نہیں

○

میسّر ہو کسی کو والا جاہی
کسی کو سوزِ غم کی بے پناہی
عجب ہے فرقِ محکومی و شاہی
تری دنیا جہانِ مرغ و ماہی
میری دنیا فغانِ صبح گاہی

وفورِ سوزِ غم سے دل ہے رنجور
تہِ سینہ چھُپے ہیں کتنے ناسور
ہے یہ تفریق تو انصاف سے دُور
تری دنیا میں ہیں محکوم و مجبور
مری دنیا میں تیری پادشاہی

یہ عشق کارِ ہنر کے سوا کچھ اور نہیں
کمالِ سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں
یہاں فتورِ بصر کے سوا کچھ اور نہیں
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

رہِ طلب میں تو مستانہ وار بڑھتا جا
کبھی تو نام نہ لے بھول کر بھی تھکنے کا
قیام برسرِ منزل تجھے نہیں زیبا
ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

خودی ہے اصل میں سب سے عظیم سرمایہ
اسی سے ملتا ہے انساں کو منصب اعلیٰ
میں اس کی عظمت و قیمت تجھے بتاؤں کیا
گراں بہا ہے تو حفظ خودی سے ہے ورنہ
گہر میں آب گہر کے سوا کچھ اور نہیں

وہیں سوزِ محبت نہیں ہے جس کا دل
وہ زندہ ہو کے ہے مُردہ نفوس میں شامل
رگوں میں گردشِ خوں کے نہیں ہیں ہم قائل
رگوں میں گردشِ خوں ہے اگر تو کیا حاصل
حیات سوزِ جگر کے سوا کچھ اور نہیں

ہزار دیکھا ہے میں نے جمال برق و سحاب
جمال پاشی میں تیرا نہیں ہے کوئی جواب
چمک دمک ہے تری مثلِ گوہرِ شب تاب
عروسِ لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب
کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

جنوں کے آگے خرد کی فسوں گری کیا ہے
خرد کے بندوں کا دعوائے برتری کیا ہے
کسی کے بل پہ ملے جو وہ سروری کیا ہے
نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

حفاظت اپنی ہی خود جن سے ہو نہیں سکتی
وہ کر سکیں گے بھلا کیا کسی کی داد رسی
سمجھ میں بات یہ تیری ذرا نہیں آتی
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

غضب ہے ایسے ہی نادان سرپرست بنیں
جو جانتے ہی نہیں سرپرستی کی رسمیں
یہ طرفہ کاریٔ قسمت کہیں تو کس سے کہیں
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنھیں
خبر نہیں روشِ بندہ پروری کیا ہے

قیامت آفریں ہوتا ہے حوصلہ دل کا
فرازِ دار کا طالب ہے ولولہ دل کا
سہل ترین ہے کتنا یہ مرحلہ دل کا
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

میں صاف بات کہے دیتا ہوں بے خوف و خطر
بفیضِ عشق جو پائی ہے میں نے فکر و نظر
اسی سے ہے مجھے انجام کار کی بھی خبر
اسی خطا سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآلِ سکندری کیا ہے

خودی ہے اصل میں ہر کامیابی کی ضامن
اسی سے ہوتی ہے تزئینِ زندگی ممکن
اسے سنبھال کے رکھنا مگر ہے کام کٹھن
کسے نہیں ہے تمنّائے سروری، لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

ہے خاص و عام میں مقبول شاعری میری
پسندِ اہلِ نظر ہے سخن وری میری
مسلّم اہلِ قلم میں ہے برتری میری
خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

حسیں گُلوں کے لئے ہے نہ کہکشاں کے لئے
ہے تیرا ذوقِ نظر حُسنِ جاوداں کے لئے
وجود تیرا نہیں بزمِ این و آں کے لئے
نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

ہیں چرچے سارے زمانے میں جن کی نُدرت کے
لبوں پہ قصے ہیں جن کے فروغِ حکمت کے
عجیب ان میں ہیں جوہر جلالِ فطرت کے
یہ عقل و دل ہیں شرر شعلۂ محبت کے
وہ خار و خس کے لئے ہے یہ نیستاں کے لئے

قدم قدم پہ یہاں ہے ہجومِ رنج و محن
یہاں تو زندگی ڈستی ہے بن کے اک ناگن
نہ جانے تیرا یہاں کیسے لگ گیا ہے من
مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سبزہ گُل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے

رہے گا ڈوبا یوں ہی فکرِ ذات میں کب تک
نہ رنگ آئے گا تیری حیات میں کب تک
نہ ہوگا نام ترا اس جہات میں کب تک
رہے گا وادیٔ نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لئے

گلے سے اپنے لگاتے تھے غم کے ماروں کو
سہارا جو دیا کرتے تھے بے سہاروں کو
جنہوں نے روشنی بخشی ہے رہگذاروں کو
نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے

جو حادثاتِ سرِ راہ سے ہو لُطف اندوز
نقوشِ پا سے کرے راستوں کو جلوہ فروز
اشارے جس کے عزائم کے ہوں حیات آموز
نگہہ بلند و سخن دل نواز و جاں پُرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

○

تجھے سارے زمانے کی خبر ہے
ہر اک شئے پر یہاں تیری نظر ہے
خدائی کارِ مشکل کس قدر ہے
خدائی اہتمام خشک و تر ہے
خداوندا خُدائی دردِ سر ہے

مجھے ہے سامنا کُلفت سے ہر گاہ
نہیں ملتی ہے جس میں فرصتِ آہ
ہزاروں رنج و غم ہیں یوں تو جانکاہ
مگر یہ بندگی استغفر اللہ
یہ دردِ سر نہیں دردِ جگر ہے

کم ضبطِ غمِ دل کی جب ہوتی ہے تاب آخر
آنکھوں سے اُبلتا ہے اک سیلِ پُر آب آخر
تب جا کے کرم کا پھر کُھل جاتا ہے باب آخر
افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اُٹھتے ہیں حجاب آخر

کچھ اور ہی عالم ہے ہم اہلِ محبت کا
رنج و غم و حرماں سے ہے واسطہ ہر لحظہ
ہر وقت تہہ دل میں اک حشر سا ہے برپا
احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اوّل سوز و تب و تاب آخر

جو عیش و طرب ہی میں سب وقت گنواتا ہے
بیٹھے ہوئے پھر وہ کیوں تقدیر کو روتا ہے
تزئین مقدر بھی مشروطِ سلیقہ ہے
میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رُباب آخر

عِلم و ہنر و فن کے ہر سمت شِوالے ہیں
تہذیب و تمدّن کے خوش رنگ اُجالے ہیں
حیرت میں مگر سب کو یہ ڈالنے والے ہیں
مَے خانۂ یورپ کے دستور نِرالے ہیں
لاتے ہیں سُرور اول دیتے ہیں شراب آخر

اک دشمنِ جانی ہے سرمستی و مَے نوشی
یہ لعنتِ مَے نوشی کتنوں کو ہے لے ڈوبی
تاریخ بھی شاہد ہے اس زندہ حقیقت کی
کیا دبدبۂ نادر کیا شوکتِ تیموری
ہو جاتے ہیں سب دفترِ غرقِ مَے ناب آخر

پھر فصلِ بہاراں نے دکھلائی ہے رعنائی
پھر حُسن بہر جانب لینے لگا انگڑائی
جاں لیوا نہیں ہوگا اب عالَمِ تنہائی
خلوت کی گھڑی گزری، جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

کُھل کر نہ رہا آخر ہستی کا پر اک عُقدہ
انوارِ حقائق سے اُٹھ کر ہی رہا پردہ
مدّت سے اسے دل میں رکھا گیا پوشیدہ
تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

قربان اس پر امیری و شاہی — یہ فقر و مستی یہ بے کلاہی
ہر شئے مسافر، ہر چیز راہی — دیتی ہے فطرت اس کی گواہی
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

تیری نگاہیں صد رشکِ محشر — تیری ہوائیں، تیرے سمندر
تو مردِ میداں، تو میرِ لشکر — تیرے عزائم اللہ اکبر
نوری حضوری تیرے سپاہی

پتھر بھی تیری ہیبت سے پانی   ٹھوکر میں تیری ہر کامرانی
تو بے زمانی، تو لامکانی   کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی
یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی

کب تک رہے گی یہ تشنہ کامی   یہ خستہ حالی یہ سست گامی
ہستی ہے تیری نامی گرامی   دنیائے دوں کی کب تک غلامی
یا راہبی کر، یا پادشاہی

رُوم و عجم کو دیکھا ہے میں نے   دارا و جم کو دیکھا ہے میں نے
لوح و قلم کو دیکھا ہے میں نے   پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز، گفتار واہی

○

ہر فرد میں ہے اس کے اندازِ غازیانہ
دل میں مچل رہے ہیں جذبات والہانہ
ہے ناپسند اس کو غیروں کا آستانہ
اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ

فرطِ غم والم میں سوز و گداز پایا
جو غم بھی دل نے پایا مستی نواز پایا
ہر حادثہ کو ہم نے رحمت طراز پایا
تعمیرِ آشیاں سے ہم نے یہ راز پایا
اہلِ نوا کے حق میں بجلی ہے آشیانہ

اوروں کے در پہ کیوں ہے مصروفِ جبہ سائی
بندوں کی بندگی سے ہوتی ہے جگ ہنسائی
یہ بات آبِ زر سے لکھ لے اے میرے بھائی
یہ بندگی خدائی، وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن، یا بندۂ زمانہ

ہے یہ تو اک حقیقت دنیا ہے آنی جانی
ہر چیز بے ثباتی ہر چیز اس کی فانی
ہے آبروئے ہستی تجھ کو اگر بچانی
غافل نہ ہو خودی سے کر اس کی پاسبانی
شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ

اے عزّ و جاہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
ذوقِ نگاہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
تیغ و سپاہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں
گفتارِ دلبرانہ، کردارِ قاہرانہ

اہلِ کمال تیری سیرت کو بھانپتے تھے
تیرے جنوں سے تیری عظمت کو ناپتے تھے
اہلِ جگر بھی تیری ہیبت سے ہانپتے تھے
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

آوازِ حق میں اس کی جادو کا سا اثر ہے
دراصل یہ سخنور اک صاحبِ نظر ہے
اس کی زباں سے نکلی ہر بات معتبر ہے
رازِ حرم سے شاید اقبال باخبر ہے
ہیں اس کی گفتگو کے انداز محرمانہ

مجھے معلوم ہے دراصل میرا مرتبہ کیا ہے
مِری تخلیق سے خالق کا آخر مدّعا کیا ہے
میں خود آگاہ ہوں اوروں سے مجھکو واسطہ کیا ہے

خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
کہ میں اس فکر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے

خودی والے تو قسمت کا کبھی شکوہ نہیں کرتے
خودی سے خود بخود ہو جاتے ہیں حل مسئلے سارے
تری قسمت بھی طے ہوگی یقیناً تیری مرضی سے

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

بفیضِ عشق میں اپنی جگہ خود اک ہنرور ہوں
مجسّم سوز و مستی ہوں، ز سر تا پا قلندر ہوں
میں مشتِ خاک ہو کر بھی زمانہ بھر سے برتر ہوں
مقامِ گفتگو کیا ہے اگر میں کیمیا گر ہوں
یہی سوزِ نفس ہے اور میری کیمیا کیا ہے

مچلتی ہیں ہزاروں طرح کی رعنائیاں اس میں
مری آنکھوں نے دیکھی ہیں عجب برنائیاں اس میں
سمٹ آئی ہیں دنیا بھر کی عشرت زائیاں اس میں
نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہم نشیں مجھ سے وہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے

کچھ اس کا علم کام آیا نہ رازِ عشق پانے میں
رہا ناکام روئے حق سے وہ پردہ اٹھانے میں
وہ یونہی رہ گیا بے فائدہ باتیں بنانے میں
اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

ہُوا ہے عارضہ دل کو مسلسل بے قراری کا
نظر کو چین پل بھر کے لئے حاصل نہیں ہوتا
بہت سوچا مگر کھلتا نہیں یہ ماجرا ہے کیا
نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
خدایا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا کیا ہے

کوزہ گستر کوئی پتھر نہیں میں
مہ و اختر سے کچھ کمتر نہیں میں
یہ میں نے مانا، صاحبِ زر نہیں میں
کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ طغرل و سنجر نہیں میں

مجھے حاصل ہوا ہے حُسنِ باطن
یہی ہے رونقِ ہستی کا ضامن
میں رکھتا ہوں نگاہِ مردِ مومن
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

یہ لطف و عنایت میں کرتا نہیں کوتاہی
من والوں کو دیتا ہے ہر چیز یہ من چاہی
فیضانِ کرم اس کا ہوتا نہیں متناہی
جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

یہ ہو تو میسّر کچھ تابندہ خیالی ہو
کچھ رنگ جمالی ہو کچھ شانِ جلالی ہو
بن اس کے ہر اک ہستی اوصاف سے خالی ہو
عطّار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

عزت کے منافی ہے وہ سلسلۂ روزی
تسکینِ خودی جس سے حاصل ہی نہیں ہوتی
آ تجھ کو بتاتا ہوں اک بات میں نکتہ کی
اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

کہنے کو ہے چلنے کا انداز جداگانہ
آدابِ سفر سے یہ بالکل نہیں بیگانہ
اوروں کی طرح یہ بھی منزل کا ہے دیوانہ
نومید نہ ہو اس سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہے لیکن بے ذوق نہیں راہی

جو حرص کے پھندوں میں محصور نہیں ہوتا
دنیا کی ہوس سے جو ہوتا نہیں آلودہ
جو خاک نشیں ہو کر رکھتا ہے مقامِ اعلیٰ
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

ہو فکر و نظر جس میں ملوث ہے ہوسناکی
ہے ننگِ شرافت وہ کردار کی ناپاکی
ہم حیلہ طرازی کو کہتے نہیں چالاکی
آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

سراپا دردِ غم، سوزِ تپانِ عشق
فروغِ زینتِ کون و مکاں عشق
سراسر بے زمان و بے مکاں عشق
کبھی آوارہ و بے خانماں عشق
کبھی شاہِ شہاں نوشیرواں عشق

یہ رہتا ہے ہر لمحہ عمل کوش
بہکتا ہے مثالِ سیلِ پُرجوش
اسے کیا سمجھے کوئی صاحبِ ہوش
کبھی میداں میں آتا ہے زرہ پوش
کبھی عُریان و بے تیغ و سناں عشق

○

چشم کو محوِ جستجو کر
قلب کو وقفِ آرزو کر
پختہ تر جذبۂ نمو کر
فطرت کو خرد کے رُوبرو کر
تسخیرِ مقامِ رنگ و بو کر

تو اپنی آبرو ڈبو چکا ہے
زیست سے ہاتھ دھو چکا ہے
جو نہ ہونا تھا ہو چکا ہے
تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
کھوئی ہوئی شئے کی جستجو کر

ہو اگر جذبِ غازیانہ
موت ہے زیست کا بہانہ
ہے اگر شوقِ والہانہ
تاروں کی فضا ہے بیکرانہ
تو بھی یہ مقام آرزو کر

حیراں ہیں ترے چمن کی حوریں
نالاں ہیں ترے چمن کی حوریں
گریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
عُریاں ہیں ترے چمن کی حوریں
چاکِ گُل و لالہ کو رفو کر

حاصل ہے تجھے عجیب قدرت
ہے خون میں بھی ترے حرارت
دکھلادے کمالِ فکر و ندرت
بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
جو اس سے نہ ہو سکا وہ تو کر

دلاویز و دلکش سماں اور بھی ہیں
مناظر تجلّی فشاں اور بھی ہیں
پسِ آسماں آسماں اور بھی ہیں
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

یہ افلاک کی بے نہایت خلائیں
پڑی جن پہ ہیں فاصلوں کی رِدائیں
چلو دنیا والو انھیں بھی بسائیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں

ہے دل کی بقا منحصر آرزو پر
بہاروں کی جیسے بنا ہو نمو پر
نگاہوں کو آمادہ رکھ جستجو پر
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

حوادث کے آگے کیا تو نے سر خم
تو پھر ہوگا شیرازۂ زیست برہم
ہے ننگِ عزائم مصائب کا ماتم
اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

نہیں ہے جو ذوقِ عمل خام تیرا
تو پھر کیوں بُرا ہوگا انجام تیرا
نگ و دو کی دنیا میں ہے نام تیرا
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

حقیقت جو کہنی ہو بے خوف کہہ جا
بصد حوصلہ ہر مصیبت کو سہہ جا
بہر سمت سیلِ رواں بن کے بہہ جا
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

بھری تھی عجب آگ سی جان و تن میں
نہ تھا کوئی ثانی مرا بانکپن میں
میں فردِ یگانہ نہ تھا ملکِ سخن میں
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

فرطِ اقوال بھی ہے کثرتِ افکار بھی ہے
زورِ گفتار بھی ہے حجّت و تکرار بھی ہے
ہر کوئی مست مئے شوخی و پندار بھی ہے
مکتبوں میں کہیں رعنائیِ افکار بھی ہے
خانقاہوں میں کہیں لذّتِ اسرار بھی ہے

جادۂ راہِ وفا سخت بھی ہے پُرخار بھی ہے
موجبِ رنج بھی ہے باعثِ آزار بھی ہے
تیرہ و تار فضاء مائلِ پیکار بھی ہے
منزلِ راہ رواں دُور بھی دُشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے

حُسنِ باطل کی پرستش میں ہے ہر کوئی مگن
ڈر ہے اُٹھ جائے نہ دنیا سے کہیں حق کا چلن
جنگِ خیبر تو یقیناً تھی پُر از رنج و محن
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرّار بھی ہے

علم تو وہ ہے اُٹھا دے جو نظر کے پردے
اپنی ہی ذات کے عرفاں کی سعادت بخشے
یوں اُٹھانے کو اُٹھاتے ہیں سبھی اس کے مزے
علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لیے
لذّتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

اس میں آراستہ ملتے ہیں کچھ اس ڈھنگ سے رنگ
دیکھ کر چشمِ تماشہ جنھیں ہو جاتی ہے دنگ
کون سے دل میں نہیں اس کے نظارے کی امنگ
پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سست بنیاد بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے

اللہ رے یہ معجزۂ حکمت و ادراک
اب زیرِ تصرّف ہے مرے وسعتِ افلاک
کیا طرفہ عجوبہ ہے مری وحشتِ بیباک
فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک
رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک

سوزِ دل و جاں سے ہے مری زیست طربناک
آلائشِ نازیبا سے ہستی ہے مری پاک
غیرت دہِ صد ماہ و ثریا ہے مری خاک
وہ خاک کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک
وہ خاک کہ جبریل کی ہے جس سے قباچاک

سرگرداں جو بادل کی طرح پھرتی ہے ہر سو
بجلی سا جسے چین نہیں ہے کسی پہلو
پھولوں کی طرح جس میں بسی پیار کی خوشبو
اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک

وہ خاک جو طوفانوں سے ہرگز نہیں ڈرتی
وہ خاک کہ ہے جس میں توانائی انوکھی
وہ خاک بگولوں کے سروں پر ہے جو رہتی
وہ خاک جو پروائے نشیمن نہیں رکھتی
چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک

بے جذب و مستی یہ پاک بازی
پائی ہے کس نے یاں سرفرازی
فانی ہے فانی شانِ مجازی
نے مہرہ باقی، نہ مہرہ بازی
جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی

عنقا ہے جوشِ تجدید اب تک
دنیا ہے محوِ تقلید اب تک
ہوتی ہے اس پر تنقید اب تک
روشن ہے جامِ جمشید اب تک
شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی

کامل ہے عرفاں میرا نہ تیرا
پختہ ہے ایماں میرا نہ تیرا
رہبر ہے قرآں میرا نہ تیرا
دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا
تو بھی نمازی، میں بھی نمازی

کہنے کو ملّا ہے نام اس کا
ہر علم لیکن ہے خام اس کا
دیکھا ہے میں نے ہر کام اس کا
میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکہ میں ملّا ہو غازی

یہ عرق ریزی یہ خون پاشی
رنگیں ہیں اس سے دل کے حواشی
ہے شیوۂ حق باطل خراشی
آذر کا پیشہ خارا تراشی
کارِ خلیلاں خارا گدازی

فرشتوں کا گیت

زینۂ فکر پست ہے، ذوقِ نظر ہے خام ابھی
سوزِ دروں کے لطف سے دل نہیں شاد کام ابھی
پھیلے ہوئے ہیں ہر طرف حرص و ہوس کے دام ابھی
عقل ہے بے زمام ابھی، عشق ہے بے مقام ابھی
نقش گرِ ازل ترا نقش ہے نا تمام ابھی

مادّی خواہشوں میں ہے آدمی آج بھی اسیر
ظلم اور گناہ اس لئے ہوتے ہیں آج بھی کثیر
ذہن تو جاگ اٹھے مگر خفتہ ہیں آج بھی ضمیر
خلقِ خدا کی گھات میں رند و فقیہ و میر و پیر
تیرے جہاں میں ہے وہی گردشِ صبح و شام ابھی

نفس پرست ہے کوئی اور ہے کوئی زر پرست
بھول رہا ہے آدمی اپنا مقامِ عبدیت
اس میں نہاں ہے اے خدا کون سی تیری مصلحت
تیرے امیر مال مست، تیرے فقیر حال مست
بندہ ہے کوچہ گرد ابھی، خواجہ بلند بام ابھی

فرطِ نشاط میں کہیں چھلکائے جا رہے ہیں جام
شکوہ طراز ہیں کہیں حرماں نصیب تشنہ کام
کیوں نہ خراب ہو ہر اک شعبۂ زیست کا نظام
دانش و دین و علم و فن بندگیِ ہوس تمام
عشقِ گرہ کشائے کا فیض نہیں ہے عام ابھی

عشق سے روح کا فروغ، عشق سے دل کی روشنی
عشق سے مستیٔ عمل، عشق سے سوزِ دائمی
عشق نہ ہو تو زندگی ہوتی ہے ننگِ زندگی
جوہرِ زندگی ہے عشق، جوہرِ عشق ہے خودی
آہ کہ ہے یہ تیغِ تیز پردگیٔ نیام ابھی

فرمانِ خدا

ہر فتنۂ تفریق کی بنیاد کو ڈھا دو
عوام کو آئینِ مساوات سکھا دو
فرمانِ خدا سارے زمانے کو سنا دو
اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو

لو ختم ہوا حسرت و حرماں کا فسانہ
ہر لب پہ ہے اب زندگیِ نو کا ترانہ
شاہی سے یہ کہہ دو کہ وہ ہو جائے روانہ
سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے وہ مٹا دو

وہ پھوٹی اُجالوں کی کرن مہرِ مبیں سے
وہ تیرگی کا فور ہوئی روئے زمیں سے
وہ بام نشیں کانپ اُٹھے خاک نشیں سے
گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

محنت میں کسر جب کوئی رکھتا نہیں باقی
مزدور کو پھر اس کی جزا کیوں نہیں ملتی
غلّہ کے عوض بھوک اُگاتی ہے جو کھیتی
جس کھیت سے دہقاں کو میسّر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

انساں ہی جب قسمتِ عالم کو سنوارے
ہر سمت ہوں جب عظمتِ انساں ہی کے چرچے
جب قربِ خداوندی کے حق دار ہوں بندے
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اُٹھا دو

ذوق و شوق

بند ہوا وہ دفترِ ماہ و نجوم و کہکشاں
دشت و چمن میں چل پڑا سکّۂ مہرِ ضو فشاں
غنچہ و گُل شگفتہ تر، موجِ صبا رواں دواں
قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

اُف رے جمالِ آفتاب، واہ رے سحر کی نمود
چشم زدن میں کھُل گیا رنگِ جہانِ ہست و بود
ذوقِ نظر کے واسطے کیا کیا ہے لذّتِ سرود
حُسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردۂ وجود
دل کے لئے ہزار سود، ایک نگاہ کا زیاں

یورشِ نور الاماں، بارشِ رنگ الغضب
بیٹھے بٹھائے چشمِ شوق کرتی ہے رقص بے سبب
عشرتِ جلوہ عام ہے دیکھ لے جرأتِ طلب
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں

طائرِ نغمہ سنج سے سُن کے ترانے حمد کے
جوشِ وفورِ وجد میں کونین جھوم جھوم اُٹھے
کوئی فضا کی خوبیاں کہاں تلک بیاں کرے
گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دُھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں

ہو گئے سیلِ نور میں غرق تمام خشک و تر
ذرّے بھی کر رہے ہیں ناز اپنے عروجِ بخت پر
شیرازۂ نظامِ شب ہونے لگا ہے منتشر
آگ بجھی ہوئی اِدھر ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

مرغِ نظر کے واسطے دانہ و دام ہے یہی
مرکزِ لطف ہے یہی، محلِ خرام ہے یہی
میں نے کہا جو معدنِ کیفِ مدام ہے یہی
آئی صدائے جبرئیل، تیرا مقام ہے یہی
اہلِ فراق کے لئے عیشِ دوام ہے یہی

عزمِ بلند ہے مرا فاتحِ موجِ حادثات
میرے ہی دم سے ہے تمام گرمیٔ بزمِ کائنات
تلخیٔ زیست میں مجھے ملتی ہے لذتِ نبات
کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لئے مۓ حیات
کہنہ ہے بزمِ کائنات تازہ ہیں میرے واردات

نظریں اُلجھ کے رہ گئیں دامِ تجلّیات میں
کھویا ہوا ہے ہر کوئی اپنے توہمات میں
شرک نے پھر اُٹھایا سر عالمِ شش جہات میں
کیا نہیں اور غزنوی کارگہِ حیات میں
بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہلِ حرم کے سومنات

جوشِ عمل نہیں رہا مومنِ پاک باز میں
پہلی سی بات اب کہاں نعرۂ دلگداز میں
عنقا ہے نام سرخوشی میکدۂ حجاز میں
ذکرِ عرب کے سوز میں، فکرِ عجم کے ساز میں
نے عربی مشاہدات، نے عجمی تخیلات

وادیٔ نجد ہے وہی، وہی ہے اس کی سرزمیں
ملتی نہیں مگر یہاں شوکتِ خلقِ دلنشیں
ہونے کو یوں تو ہیں بہت رمز شناس فقر و دیں
قافلۂ حجاز میں ایک حسینؓ بھی نہیں
گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

کارگہِ حیات میں روحِ روانِ دیں ہے عشق
خضرِ رہِ وفا کوئی گر ہے تو بالیقیں ہے عشق
حق تو یہی ہے صاحبِ نگہِ تیز بیں ہے عشق
عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

جذبِ خلیل بھی ہے عشق فقرِ حُسین بھی ہے عشق
عزمِ خلیل بھی ہے عشق قدرِ حُسین بھی ہے عشق
رُوحِ خلیل بھی ہے عشق فخرِ حسین بھی ہے عشق
صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبرِ حُسین بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق

باعثِ صدحیات ہے جراَتِ خواہشِ نمو
حاصلِ کائنات ہے شدّتِ سوزِ آرزو
اے تو کہ تیری ذات ہے زینتِ بزمِ چارسُو
آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

آسودگانِ خانقاہ ناآشنائے جذب و شوق
گردنِ اہلِ ہوش میں خطرۂ بیش و کم کا طوق
چشمۂ علم کی طرف جاتے تو ہیں یہ جوق جوق
جلوتیانِ مدرسہ کور نگاہ و مردہ ذوق
خلوتیانِ میکدہ کم طلب و تہی کدو

پرتوِ مہرِ عشق سے روشنیٔ دل و دماغ
رہبرِ راہِ عشق ہے جذبِ درونِ بے فراغ
سینوں میں کاش پھر جلے عشق کا آتشیں چراغ
میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سُراغ
میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

میری نگاہِ شوق ہے روشن بصر و تیز دس
میرے جنوں نے آج تک دیکھا نہیں ہے پیش و پس
حاملِ عزمِ نو بنو ہوتا ہے میرا ہر نفس
بادِ صبا کی موج سے نشو و نمائے خار و خس
میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو

میری نگاہ کا غلام جلوۂ حُسن برق وش
غیرتِ سوزِ آفتاب ہے میرے قلب کی تپش
نغمۂ دلگداز ہو کیوں کر نہ میرا پُر کشش
خونِ دل و جگر سے ہے میرے نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

بیرونِ پردۂ فگن جلوۂ زر نگار را
لذتِ سرخوشی بدہ چشمِ امیدوار را
مائل بہ لطفِ خاص کن نگہ شرمسار را
فرصتِ کشمکش مدہ ایں دلِ بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را

ہستئ پاک ہے تری ہر دو جہاں میں انتخاب
تیری صفات و ذات کی ہر اک ادا ہے لاجواب
تیری صفت بیاں کرے اتنی ہے کس زباں میں تاب
لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حُباب

دل میں ہے اس طرح ترے غم کے وفور سے فروغ
دشت و دمن میں جس طرح شعلۂ طور سے فروغ
راہِ حیات میں ترے قدموں کے نور سے فروغ
عالم آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تونے طلوعِ آفتاب

وجہِ وجودِ دو جہاں اصل میں ہے ترا وجود
تیرے ہی دم سے ہے تمام رونقِ بزمِ ہست و بود
تیرا جلال بے شمار، تیرا جمال بے حدود
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب

اے میرے محسنِ حیات، اے میرے شاہِ ذیمقام
رونقِ دل ہے تیرا عشق راحتِ جاں ہے تیرا نام
مانا کہ ہے مری جبیں محوِ سجود صبح و شام
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

اے خوشا قربِ خاص میں تیرے جو ذرّے آ گئے
نیّرِ رخشاں کی طرح دہر کو جگمگا گئے
تجھ سے قریب جو ہوئے رازِ حیات پا گئے
تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب

جانے نجات پائے کب آدمی اس عذاب سے
اٹھیں گے حشر تا بہ کے شورشِ انقلاب سے
گھبرا اٹھی ہے زندگی ظلمتِ بے حساب سے
تیرہ و تار ہے جہاں گردشِ آفتاب سے
طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے

○

کبھی وابستۂ دار و رسن عشق
کبھی صحنِ چمن میں نغمہ زن عشق
دکھاتا ہے نرالا بانکپن عشق
کبھی تنہائیِ کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق

کبھی رہتا ہے میرِ بزم بن کر
کبھی بنتا ہے یہ سردارِ لشکر
بدلتا رہتا ہے اکثر یہ تیور
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

ساقی نامہ

سماں رُوح پرور ہوا خوشگوار نگاہوں کی جنّت گلُوں کا نکھار
فضائے چمن نغمہ زا نغمہ بار ہوا خیمہ زن کاروانِ بہار
اِرم بن گیا دامنِ کوہسار
یہ رعنائیٔ غنچۂ تنگ دہن کلی کا تبسّم گلُوں کی پھبن
کہیں کیف و مستی کہیں بانکپن گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
لگی آگ سی خیمۂ رنگ میں عجب سوز ہے شعلۂ رنگ میں
ہر اک ذرّہ ہے قبضۂ رنگ میں جہاں چھُپ گیا پردۂ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگِ سنگ میں

ہر اک سمت ہے بارشِ رنگ و نور — چمن کا چمن بن گیا رشکِ طور
ہر اک شئے میں ہے زندگی کا ظہور — فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور

دبکتی، سکڑتی، کھسکتی ہوئی — بپھرتی، ابھرتی، لپکتی ہوئی
چلی جا رہی ہے بہکتی ہوئی — یہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی

اکڑ کر بیاباں میں چلتی ہوئی — کبھی اپنے پہلو بدلتی ہوئی
چٹانی زمیں کو کھرلتی ہوئی — اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

تھپیڑے مصیبت کے سہتی ہے یہ — شب و روز بہتی ہی رہتی ہے یہ
نہیں نام رکنے کا لیتی ہے یہ — رکے جب تو سِل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ

تو خوش رنگ و خوش رو و شیریں کلام — تصدق ترے رخ پہ ماہِ تمام
زمانہ ہے تیری نظر کا غلام — ذرا دیکھ اے ساقیِ لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

وہ اک آہ ہوتی ہے جو قلب دوز — وہی آہ ہوتی ہے افلاک سوز
مئے چشم تیری ہے مستی فروز — پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصلِ گل روز روز

پلا کر مجھے آبِ رنگیں صفات غمِ آگہی سے دلا دے نجات
عطا کر بھی دے ازرہِ التفات وہ مے جس سے روشن ضمیرِ حیات
وہ مے جس سے ہے مستیٔ کائنات

وہ مے جو ہے تقدیر سازِ ازل وہ مے جو ہے نکتہ طرازِ ازل
وہ مے جس سے رازِ و نیازِ ازل وہ مے جس سے ہے سوز و سازِ ازل
وہ مے جس سے کھلتا ہے رازِ ازل

ذرا کام لے اپنے اعجاز سے اداؤں سے مستی سے انداز سے
جو ممکن ہو چشمِ فسوں ساز سے اٹھا ساقیا پردہ اس راز سے
لڑا دے ممولے کو شہباز سے

محبت کے اعزاز بدلے گئے وہ عشاق و جاں باز بدلے گئے
وہ دم ساز و ہمراز بدلے گئے زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے ساز بدلے گئے

بڑھی حد سے جب حرصِ آزِ فرنگ ہوا غرق خود ہی جہازِ فرنگ
نہیں اب وہ سوز و گدازِ فرنگ ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

تغیّر کا پھر گرم بازار ہے ہر اک فرد سرگرمِ پیکار ہے
زمانہ ابھرنے کو تیار ہے پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

جو بے حس پڑے تھے اُچھلنے لگے غلاموں کے دل بھی تچلنے لگے
سبھی اپنے پہلو بدلنے لگے گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

وہ قلب و نظر کا شکاری گیا بصد گریہ و آہ و زاری گیا
وہ دورِ روزہ عہدِ بہاری گیا گیا دورِ سرمایہ داری گیا
تماشہ دکھا کر مداری گیا

گلستاں کا کیا ذکر میرے ندیم بیاباں میں رقصاں ہے موجِ شمیم
بفیضِ جلالِ نگاہِ سلیم دلِ طورِ سینا و فاراں دو نیم
تجلّی کا پھر منتظر ہے کلیم

میسّر تھا جس کو کمالِ خروش وہی شیخ ہے آج ایماں فروش
ہے شاہد حرم کی فضائے خموش مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش

وہ مومن کہ تھا دو جہاں کا امام عمل آج اس پہ ہوا ہے حرام
تصوّر، تخیّل، تکلّم، پیام تمدّن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

شرافت خرابات میں کھو گئی صداقت رسومات میں کھو گئی
فراست فروعات میں کھو گئی حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

تنزّل سے ہونے لگا ہے قریب
مسلماں ہے اس دور کا کم نصیب
ہے یہ بات کتنی عجیب و غریب
لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
مگر لذّتِ شوق سے بے نصیب

جگر میں تھا جس کے زمانہ کا درد
نہیں آتشِ دل ہوئی جس کی سرد
فلک جس کی ہیبت سے ہوتا تھا زرد
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا حمیّت میں فرد

یہ عاشق کرامات میں کھو گیا
یہ زاہد مناجات میں کھو گیا
یہ غازی خرافات میں کھو گیا
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

مصائب سے جو اس طرح زیر ہے
تباہی میں اب اس کی کیا دیر ہے
نصیبوں کا کیسا عجب پھیر ہے
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

مری سمت ساغر بڑھا ساقیا
مری تشنہ کامی مٹا ساقیا
مجھے مست و بیخود بنا ساقیا
شرابِ کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا

نگاہوں سے پردہ اُٹھا کر اُڑا
ذرا اپنا جلوہ دکھا کر اُڑا
مجھے رازِ مستی بتا کر اُڑا
مجھے عشق کے پر لگا کر اُڑا
مری خاک جگنو بنا کر اُڑا

تمناؤں سے دل کو آباد کر　　یہ ناشاد ہے تو اسے شاد کر
کوئی نسخۂ خاص ایجاد کر　　خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا اُستاد کر

محبت مجھے جذبِ پیہم سے ہے　　مری زندگانی ترے غم سے ہے
نہ یہ فصلِ گُل سے نہ شبنم سے ہے　　ہری شاخِ ملت ترے نم سے ہے
نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے

دلوں کو دھڑکنے کی توفیق دے　　جگر کو بھڑکنے کی توفیق دے
نظر کو لپکنے کی توفیق دے　　تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے

مرے دل کو بدمست و سرشار کر　　محبت میں اپنی گرفتار کر
مری جاں کو پھر وقفِ آزار کر　　جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر

مہکتی ہوئی ان بہاروں کی خیر　　دہکتے ہوئے لالہ زاروں کی خیر
مرے سوزِ غم کے شراروں کی خیر　　ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

دعاؤں میں ان کی اثر بخش دے　　انھیں چشم روشن بصر بخش دے
انھیں قلبِ عالی گہر بخش دے　　جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے

ترے دم سے ہے رونقِ شش جہات　　بیاں سے بھی باہر ہیں تیری صفات
اگر تو سُنے تو کہوں ایک بات　　بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

خرد کو جنوں کا طلب گار کر　　نگاہوں کو تیزی میں تلوار کر
مجھے عشق و مستی کا شہکار کر　　مری ناؤ گرداب سے پار کر
یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر

مرے چشمِ نم کی یہ خونابیاں　　ہیں ان سے بہاروں کی شادابیاں
مرا عشق میری جگر تابیاں　　مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

ملا ہے مجھے اک دلِ پاک باز　　یہی میرا رہبر یہی کارساز
مرا سجدۂ عشق میری نماز　　مرے نالۂ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز

لہو ہے مرا رونقِ صد بہار　　مرے دم سے ہے زندگی کا وقار
تجھ ہی سے ہے سب گرمئ کارزار　　مری فطرت آئینۂ روزگار
غزالانِ افکار کا مرغزار

ہے میرا جنوں حاصلِ کائنات　　مری ذات ہے ذاتِ والاصفات
مرا ہر عمل خالقِ حادثات　　مرا دل مری رزم گاہِ حیات
گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

میں فیضِ خودی سے ہوں روشن ضمیر   ملے گی نہ ڈھونڈے سے میری نظیر
یہ قلبِ خبیر و نگاہِ بصیر   یہی کچھ ہے باقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

زمانہ میں یکتا بنا دے اسے   ہر اک شئے سے اعلیٰ بنادے اسے
نگاہوں میں زیبا بنا دے اسے   مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

مسرت فضا ہے غمِ زندگی   مجرّب دوا ہے سمِ زندگی
نمو کی غذا ہے نمِ زندگی   دما دم رواں ہے یمِ زندگی
ہر اک شئے سے پیدا رمِ زندگی

یہ ماہ و ثریا یہ چرخِ کبود   اسی سے ہے یہ عالمِ ہست و بود
اسی سے ہے سارا جہانِ وجود   اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلہ میں پوشیدہ ہے موجِ دود

اسی سے ہے یہ رفعتِ آب و گل   ہے رشکِ فلک عظمتِ آب و گل
اسی سے بڑھی زینتِ آب و گل   گراں گرچہ ہے صحبتِ آب و گل
خوش آئی اسے محنتِ آب و گل

یہ مخرب بھی ہے اور معمار بھی   یہ دلسوز ہے اور دلدار بھی
یہ آساں بھی ہے اور دشوار بھی   یہ ثابت بھی ہے اور سیار بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی

یہ روشن ستارے یہ ماہِ مُنیر
یہ بجلی یہ باراں یہ ابر مطیر
اسی سے ہے ہر شئے صغیر و کبیر
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کہیں بے چگوں بے نظیر

اسی سے نظام حیات و ممات
اسی سے ہے دل اور اسی سے ہے دات
اسی سے رواں چشمۂ واردات
یہ عالم یہ بت خانۂ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومنات

یہ آوارۂ کوچہ و کُو نہیں
کسی شئے میں اس کی سی خوبو نہیں
غلو اس بیاں میں سرِ مو نہیں
پسند اس کو تکرار کی خو نہیں
کہ تو میں نہیں اور میں تو نہیں

اسی سے منوّر ہے چرخِ بریں
اسی سے ہے فردوس سطح زمیں
اسی سے فروزاں ہے شمعِ یقیں
من و تو سے ہے انجمن آفریں
مگر عینِ محفل میں خلوت نشیں

روانی عجب اسکے دھارے میں ہے
قیامت کی شوخی اشارے میں ہے
گلوں میں شفق میں شرارے میں ہے
چمک اس کی بجلی میں تارے میں ہے
یہ چاندی میں سونے میں پارے میں ہے

اسی کے پیمبر اسی کے رسول
اسی نے تراشے ہیں سارے اصول
اسی سے ہے کل برکتوں کا نزول
اسی کے بیاباں، اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں پھول

اسی سے ہے قائم دلوں کا سُرور   یہی ہے زمانہ کی آنکھوں کا نور
اسی کا ہی چرچا ہے نزدیک و دُور   کہیں اس کی طاقت سے کہسار چور
کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور

اسی سے کہیں ہے تفنگ و خدنگ   اسی سے کہیں بربط و جل ترنگ
اسی سے محبّت اسی سے ہے جنگ   کہیں جُرّہ شاہینِ سیماب رنگ
لہو سے چکوروں کے آلودہ چنگ

اسی سے تمنّا کا جوشش و فور   ہر اک شئے میں موجود ہے اسکا نور
اسی سے کہیں نغمہ زن ہیں طیور   کبوتر کہیں آشیانہ سے دُور
پھڑکتا ہوا جال میں ناصبور

تگ و دَو سے ہے سوز و سازِ حیات   تگ و دَو میں پنہاں ہے رازِ نجات
تگ و دَو سے ہے عالَمِ ممکنات   فریبِ نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرّہ کائنات

اسی سے ہے یہ گلستانِ وجود   اسی سے ہے یہ آن و بانِ وجود
اسی سے ہے نام و نشانِ وجود   ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

تگ و دو کا اعجاز ہے زندگی — اسی سے فسوں ساز ہے زندگی
بڑی فتنہ پرداز ہے زندگی — سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

بڑا بادرفتار ہے یہ سمند — ستاروں پہ یہ ڈالتا ہے کمند
نہ پہنچا کبھی اس کو کوئی گزند — بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند

سفر ہی میں کل برکتوں کا ہے راز — سفر ہی میں ہے لذتِ دلنواز
سفر ہی سے ہے آسماں سرفراز — سفر زندگی کے لئے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز

رہِ پُرخطر سے ہے الفت اسے — ہے آرام منزل سے نفرت اسے
بڑا کیف دیتی ہے کلفت اسے — الجھ کر سلجھنے میں لذّت اسے
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے

اسی سے اُجالا ہے ظلمات میں — نمی ہے اسی سے بخارات میں
یہی جلوہ فرما ہے آفات میں — اتر کر جہانِ مکافات میں
رہی زندگی موت کی گھات میں

کبھی اس سے جی چھوٹتے بھی رہے — اسی کا مزہ لوٹتے بھی رہے
کبھی اس سے دل روٹھتے بھی رہے — کلی اس شاخ سے ٹوٹتے بھی رہے
اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے

فنا کے بھی اس سے لرزتے ہیں ہات — مصائب بھی کرتے نہیں اس کو مات
نرالی ہے بے مثل ہے اسکی بات — سمجھتے ہیں ناداں اسے بے ثبات
ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات

نہیں دیکھتی یہ کبھی پیش و پس — تگ و تاز میں محو ہے ہر نفس
حوادث ہیں اس کے لئے خار و خس — بڑی تیز جولاں بڑی زود رس
ازل سے ابد تک رمِ یک نفس

کبھی بارشِ عیش و آرام ہے — کبھی یورشِ رنج و آلام ہے
کبھی سحر ہے اور کبھی شام ہے — زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے
دموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

ازل سے خودی وقفِ پیکار ہے — اسی سے تو گرمیٔ بازار ہے
مٹانا اسے سخت دشوار ہے — یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

خودی کیا ہے سرمایۂ حسنِ ذات — خودی کیا ہے اک گوہرِ باصفات
خودی کیا ہے سرچشمۂ واردات — خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات
خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات

خودی کا ہی پرتو ہے عزمِ بلند — خودی ہے تو گردوں بھی زیرِ کمند
خودی کیا ہے اک دولتِ ارجمند — خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

خودی سے ہے یہ عظمتِ مشتِ خاک　　خودی ہے تو دل کو نہیں کوئی باک

من و تو کے پردے خودی ہیں چاک　　اندھیرے اُجالے میں ہے تابناک

من و تو میں پیدا من و تو سے پاک

بلا سے ہو برق و رعد سامنے　　ہمیشہ ہے جد و جہد سامنے

کیا آئے بھلا یہ خرد سامنے　　ازل اس کے پیچھے ابد سامنے

نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

فسانہ صعوبت کا کہتی ہوئی　　گریزاں مسرت سے رہتی ہوئی

مصیبت میں سرمست رہتی ہوئی　　زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی

ستم اس کے موجوں کے سہتی ہوئی

مصائب کو ہر دم کچلتی ہوئی　　ہمکتی، بہکتی، سنبھلتی ہوئی

تڑپتی، پھڑکتی، مچلتی ہوئی　　تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی

دما دم نگاہیں بدلتی ہوئی

اسی پر عیاں رازہائے نہاں　　اسی سے لرزتے ہیں کون و مکاں

خودی کی یہ بے باکیاں الاماں　　سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں

پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں

خودی سازِ فطرت کی آواز ہے　　خودی کیا ہے سرتاپا اعجاز ہے

خودی سے جہانِ تگ و تاز ہے　　سفر اس کا انجام و آغاز ہے

یہی اس کی تقویم کا راز ہے

نزاکت میں زینت میں آہنگ میں　　نہیں کوئی شئے اس کے پاسنگ میں
یہ کیونکر سمائے دلِ تنگ میں　　کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں
یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں

گریزاں ہے تقلید کی نیش سے　　کبھی یہ بھٹکتی نہیں کیش سے
یہ خوش ہے جنونِ خوش اندیش سے　　اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
نشیب و فراز و پس و پیش سے

جنھیں یہ بناتی ہے روشن ضمیر　　وہی لوگ ہوتے ہیں میروں کے میر
نگاہیں ہیں اس کی بڑی دل پذیر　　ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

نہ موجود یہ شورِ محفل میں ہے　　نہ دیر و حرم کے مشاغل میں ہے
نہ طوفاں میں ہے اور نہ ساحل میں ہے　　خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کیا ہے اک برق زیرِ سحاب　　خودی سے ہر اک ذرہ ہے آفتاب
خودی ہی تو ہے روحِ صد انقلاب　　خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اسکی آب

وہی ناں ہے اس کے لئے دل پسند　　نہ پہنچے حمیت کو جس سے گزند
جو ناں اس کو ہر دم رکھے دردمند　　وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

بڑی شئے ہے یہ گرمئ بال و پر   فضاؤں کی ان وسعتوں سے نہ ڈر
طلب کر تب و تابِ قلب و نظر   فرو فالِ محمود سے در گزر
خودی کو نگہ رکھ ایازی نہ کر

یہ تیری نمازیں یہ تیرے سلام   یہ تیری جبیں سائیاں صبح و شام
عبث ہیں یہ سارے سجود و قیام   وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

یہ دنیا نہیں جس میں جوش و خروش   رواں ہے جہاں سکۂ عقل و ہوش
میسّر نہیں جس میں دل کو سروش   یہ عالم یہ بت خانۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خور و نوش

نظر میں مری یہ جہاں، بالیقیں   قیام و سکونت کے قابل نہیں
زمان و مکاں، آسمان و زمیں   خودی کی ہے یہ منزلِ اوّلیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

ترا نور اس کہکشاں سے نہیں   ترا رنگ اس گلستاں سے نہیں
تری شان اس آسماں سے نہیں   تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

نکل جا حدِ درمیاں توڑ کر   یہ پابندئ جسم و جاں توڑ کر
قیودِ عیان و نہاں توڑ کر   بڑھے جا یہ کوہِ گراں توڑ کر
طلسمِ زمان و مکاں توڑ کر

صنم خانۂ ایں و آں اس کا صید　　تمام عالم انس و جاں اس کا صید
زماں اس کا صید اور مکاں اسکا صید　　خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اسکا صید

سنا ہے پسِ آسمانِ کبود　　ابھی اور بھی ہیں جہانِ سرود
ابھی اور بھی راز ہیں بے کشود　　جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیرِ وجود

ہے شیدا جہاں حسنِ دلدار کا　　تری نطق کا تیری گفتار کا
نگاہوں کی تیغِ جگردار کا　　ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیٔ فکر و کردار کا

یہ ماہ و ثریا یہ لیل و نہار　　تجھی پر ہے ان کی بقا کا مدار
اے فخرِ جہاں دہر کے تاجدار　　یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

تجھ ہی سے ہیں سارے حرم اور کشت　　ہے بزم جہاں تجھ سے رشکِ بہشت
زمانہ میں یکتا ہے تیری سرشت　　تو ہے فاتحِ عالمِ خوب و زشت
تجھے کیا بتاؤں تری سرنوشت

حدیثِ وفا ہو کہ رودادِ جنگ　　صدائے تفنگ ہو کہ آوازِ چنگ
بیانِ گہر ہو کہ ہو ذکرِ سنگ　　حقیقت یہ ہے جامۂ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ

نہیں دل کو میرے غمِ پیش و پس | نگاہیں ہیں میری بڑی تیز رس
مرا شعر کیا ہے صدائے جرس | فروزاں ہے سینہ میں شمعِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس

اے ربِ العلیٰ ذاتِ والاحشم | بہ افضالِ تو من سخن گسترم
گو از جملہ افلاکیاں برترم | اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

زمانہ

ہر اک زباں پر دفورِ تزئینِ زندگانی کا ہے فسانہ
مچل رہا ہے ہر ایک لب پر حیاتِ نو کا حسیں ترانہ
اب آرزوؤں کو سر اٹھانے کا مل گیا ہے نیا بہانہ
جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

مرے ہی دم سے چمن میں ہر سُو نئے شگوفے مہک رہے ہیں
مرے ہی پرتو سے صحنِ گلشن میں سارے ذرّے دمک رہے ہیں
مرے ہی ہاتھوں نئے نئے جامِ عیش و عشرت کھنک رہے ہیں
مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

ہے لائقِ احترام سب کی نگاہ میں بارگاہ میری
مقدّروں کو بدل کے رکھتی ہے اک اچٹتی نگاہ میری
غریب ہو یا امیر ہر کوئی ڈھونڈتا ہے پناہ میری
ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب کبھی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ

مری جبیں کی خفیف سلوٹ حقیقتاً حشر آفریں ہے
دلوں میں اہلِ جہاں کے ہیبت اسی لئے میری جاگزیں ہے
کبھی ادا میری کیف زا ہے کبھی نظر میری خشمگیں ہے
مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

کسی کو محروم بادہ رکھوں نہیں ہے ہرگز یہ میرا شیوہ
عزیز ہیں مجھ کو ایسے مے کش کہ جن کو پینے کا ہے سلیقہ
میں ظرف والوں کو کرتا رہتا ہوں شاد کام انکے حسبِ منشا
نہ تھا اگر تو شریکِ محفل قصور میرا ہے یا کہ تیرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

نئے اُجالوں کی تابشوں سے رُخِ سحر پھر نکھر رہا ہے
نئے عزائم کی جھرمٹوں میں نیا زمانہ اُبھر رہا ہے
فضائے ماہ و نجوم انساں بڑھ کے تسخیر کر رہا ہے
جہانِ نَو ہو رہا ہے پیدا وہ عالمِ پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

میسر جس کو عزمِ بیکراں ہے
وہ انساں راکبِ اسپِ زماں ہے
حدِ کون و مکاں جس پر گراں ہے
وہی اصلِ مکان و لامکاں ہے
مکاں کیا شئے ہے اندازِ بیاں ہے

حقائق سے نگاہیں جو چُرائے
وہ رازِ زندگی کیا خاک پائے
کوئی کتنا بھی سر اپنا کھپائے
خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

جاوید کے نام

دل و جگر میں تو سوزِ دوام پیدا کر
وفورِ غم میں نشاطِ مُدام پیدا کر
نگاہِ دہر میں یوں احترام پیدا کر
دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر غمِ ہستی کا پاس دے تجھ کو
یقین دشمنِ صد حزن و یاس دے تجھ کو
یہ ایک شئے بایں ہوش و حواس دے تجھ کو
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر

جو نوجواں ہے تو رکھ اپنے عزم کو بھی جواں
خود اپنے آپ بنا اپنی قسمتِ تاباں
اگر ہے دل میں تیرے ناؤ نوش کے ارماں
اٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مینا و جام پیدا کر

ہجومِ حسرت و غم کا ذرا بھی رنج نہ کر
شبِ سیاہ کا انجام ہے نمودِ سحر
مجھے عزیز بہت ہے متاعِ سوزِ جگر
میں شاخِ تاک ہوں میری غزل ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے مئے لالہ فام پیدا کر

بتاؤں کیا تجھے کیا شئے غمِ امیری ہے
زوالِ ہمت و غیرت ہے زود میری ہے
یہ فقر و مستیٔ دل رشکِ صد امیری ہے
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

فکر و عمل (مسولینی)

ندرتِ فکر و عمل سے زندگی کی آب و تاب
ندرتِ فکر و عمل کی برکتیں ہیں بے حساب
ندرتِ فکر و عمل ہے اک متاعِ لاجواب
ندرتِ فکر و عمل کیا شئے ہے؟ ذوقِ انقلاب!
ندرتِ فکر و عمل کیا شئے ہے؟ ملت کا شباب!

اس کے ہاتھوں ہوتی ہے تعمیر و تزئینِ خودی
اس سے ہوتا ہے نمایاں جوہرِ خود آگہی
اس کا اک ہلکا سا پرتو منبعِ صد روشنی
ندرتِ فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
ندرتِ فکر و عمل سے سنگِ خارا لعلِ ناب!

تیرا ہر پیر و جواں تھا عیش و مستی کا اسیر
عشرتِ امروز کا شیدا تھا تیرا ہر امیر
آج کیسا آ گیا ہے انقلاب بے نظیر
رومۃ الکبریٰ! دِگر گوں ہو گیا تیرا ضمیر
"ایں کہ می بینم بہ بیداری ست یارب یا بخواب!"

آج ہر دل میں ہے کیف و شادمانی کا فروغ
جدوجہدِ زیست میں ہے کامرانی کا فروغ
رونما ہے بچہ بچہ میں جوانی کا فروغ
چشمِ پیرانِ کہن میں زندگانی کا فروغ
نوجواں تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب!

ندرتِ فکر و عمل سے کھُل گیا رازِ وجود
ختم ہوتا جا رہا ہے زندگانی کا جُمود
باز ہو کر ہی رہے سب عقدہ ہائے ناکشود
یہ محبّت کی حرارت! یہ تمنّا! یہ نمود!
فصلِ گُل میں پھُول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب!

احساسِ زیاں

عشق کا دل میں وہ پہلا ولولہ باقی نہیں
آفتوں سے کھیلنے کا سلسلہ باقی نہیں

جن کی نظروں سے زمانے کو ملی تھی زندگی
آج ان میں زندگی کا حوصلہ باقی نہیں

دامِ رنگ و بو میں چشمِ شوق پھنس کر رہ گئی
جستجو کا وہ مبارک مشغلہ باقی نہیں

جس کے ہاتھوں قسمتیں بنتی تھیں اہلِ دہر کی
حیف اس جذبِ دروں کا غلغلہ باقی نہیں

پائے وحشت لذتِ صحرا نوردی کھو چکا
خار تو موجود ہیں پر آبلہ باقی نہیں

وہ سرورِ ناصبوری ہوگیا خواب و خیال
اب تب و تابِ جگر کا معاملہ باقی نہیں
کاروبارِ زندگانی کیوں نہ منشا سرد ہوں
جب درونِ سینہ سوزِ لااللہ باقی نہیں
"وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا"
(اقبالؒ)

غالبؔ

اے ادیبِ نکتہ سنج و شاعرِ شیریں نوا
اہلِ فن میں تجھ کو حاصل ہے نرالا مرتبہ
عالمِ انسانیت کو ناز ہے تجھ پر بجا
فکرِ انساں پر تیری ہستی سے یہ روشن ہُوا
ہے پرِ مرغِ تخیّل کی رسائی تا کُجا

تیرے فن پاروں کی دنیا حُسن سے معمور ہے
تیری ہر تخلیق میں بے تاب موجِ نور ہے
ندرتِ فکر و نظر تیری بہت مشہور ہے
دید تیری آنکھ کو اس حُسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شئے میں جو مستور ہے

گلشنِ شعر و ادب ہے تیرے دم سے پُر بہار
تیرے ہاتھوں بڑھ گیا رنگِ تغزّل کا نکھار
تیرا فیضانِ کرم ہے درحقیقت بے شمار
محفلِ ہستی تیری ہی بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار

کیا عجب خوبی ہے تیری فکر کی تنویر میں
کیسے کیسے دل ہوئے ہیں قید اس زنجیر میں
آئے دن کیوں نہ اضافہ ہو تری توقیر میں
زندگی مضمر ہے تیری شوخیٔ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں

جاذبِ قلب و نظر ہے تیرا فن تیرا ہُنر
نذرِ فن تو نے کئے خونِ دل و خونِ جگر
کیوں نہ رکھے تیرا ہر اک قول جادو کا اثر
نطق کو سو ناز ہے تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

تیری ہر تحریر میں سوزِ دروں غلطیدہ ہے
جوہرِ معنیٰ ترے ہر شعر میں پوشیدہ ہے
تیرے اندازِ بیاں کا ہر بشر گرویدہ ہے
آہ تو اُجڑی ہوئی دلّی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

تیرا دیواں خاتمِ اُردو میں ہے مثلِ نگیں
محوِ حیرت جس پہ ہو جاتی ہے چشمِ نکتہ بیں
ہے ترا طرزِ سخن طرزِ ادا کتنا حسیں!
لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیّل کی نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں

آج یوں اُردو غزل کا ہر کوئی دیوانہ ہے
ہر زباں پر اس کے لطفِ حُسن کا افسانہ ہے
پھر بھی اس گلشن میں اُردو سبزۂ بیگانہ ہے
گیسوئے اُردو ابھی منّت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیٔ پروانہ ہے

مسجد قرطبہ

کتنا تغیّر پذیر ہے جہانِ شش جہات
اس کے کسی رنگ کو حاصل نہیں ہے ثبات
ہوتے ہیں یاں روز و شب انقلابی سانحات
سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب اصلِ حیات و ممات

حُسنِ جہاں دیکھ کر چشمِ تماشا ہے دنگ
جلوے تو ہیں بے شمار ظرف نظر کا ہے تنگ
رنگِ سپید و سیاہ ملتے ہیں کیا بے درنگ
سلسلہ روز و شب تار حریر دو رنگ
جن سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

وقتِ گریزاں کے جَور کیجئے کیا کیا بیاں
ایک ہجوم بلا ساتھ ہے اس کے رَواں
اس کے الم بے اماں، اس کے ستم بیکراں
سلسلۂ روز و شب سازِ ازل کی فُغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

پل میں کھل دیتی ہے گردشِ لیل و نہار
جو ہیں بہت سست رَو ہوتے ہیں اسکے شکار
جان لے کے رہتا ہے اس کا ہر ہلکا سا وار
تو ہے اگر کم عیار، میں ہوں اگر کم عیار
موت ہے تیری برات موت ہے میری برات

وقت ہے مانندِ سیل تیز گزرتا ہے یہ
گاہ ہمکتا ہے یہ، گاہ بپھرتا ہے یہ
ایک کسوٹی کا حکم اصل میں رکھتا ہے یہ
تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلۂ روز و شب صیرفیٔ کائنات

تجھ کو پتہ بھی ہے کچھ زیست کی حالت ہے کیا
وقت کے میزان میں زیست کی قیمت ہے کیا
رقصِ شرر سے فزوں زیست کی مہلت ہے کیا
تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رَو جس میں نہ دن ہے نہ رات

کیسے بھی ہوں شاہکار جاذبِ قلب و نظر
نور پاش و کیف زا لطف خیز و خوش اثر
دیر تک یہ پائیدار رہتے نہیں سر بہ سر
آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہُنر
کارِ جہاں بے ثبات کارِ جہاں بے ثبات

یہ شفق و رنگِ گُل جلوہ ہائے صُبح و شام
چند ہی لمحوں میں کام ہوتا ہے ان کا تمام
مٹتے ہیں سب آخرش نقش ہائے خاص و عام
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

زندگی ہے چیز کیا، ہم سمجھ بیٹھے ہیں کیا
ہے فنا آمادہ جب زندگی کا سِلسلا
دیکھتے ہیں لوگ کیوں جانے پھر خوابِ بقا
اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نَو منزلِ آخر فنا

صدق و صفا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
جذب و وفا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
صبر و رضا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

عشق کے اجزائے خاص جذب و درد و عزم نَو
رشکِ مہ و مہر ہے عشق کے داغوں کی ضَو
آندھیوں سے بجھ نہیں سکتی کبھی اس کی لَو
تند و سُبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

عشق ہے کچھ اور شے آہ و فغاں کے سوا
قلبِ تپاں کے سوا، سوزِ نہاں کے سوا
عشق کا ہے کام اور فتحِ زماں کے سوا
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

رُوح فزا، کیف زا عشق کی ہر اک ادا
عشق متاعِ عزیز، عشق دُرِ بے بہا
عشق نگاہِ خدا، عشق یدِ کبریا
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفےٰ
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

دامنِ دل عشق سے جس کا ہوا چاک چاک
اس کو کسی قسم کا ہوتا نہیں کوئی باک
عشق سے اکسیر کا درجہ پا لیتی ہے خاک
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاسُ الکرام

عشق سے نظمِ جہاں، عشق سے سوزِ وجود
عشق ہی کے دم سے ہے کائناتِ ہست و بود
عشق کا میدانِ کار بے کنار و بے حدود
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جُنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

عشق سے تزئینِ ذات، عشق معمارِ حیات
عشق کا فیضان ہے فرطِ انوارِ حیات
عشق سے ہے دیدہ زیب رنگِ گلزارِ حیات
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

تیرے در و بام ہیں مظہرِ حُسنِ شہود
تیرے نظاروں سے ہے غنچۂ دل کی کشود
معجزۂ عشق ہے تیری ہستی کا نمود
اے حرم قرطبہ عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام جسمیں نہیں ہست و بود

آتا ہے جب سوز میں ڈوبا ہوا حرف و صوت
دیتا ہے کچھ اور ہی اس دم مزا حرف و صوت
دل میں اُتر جاتا ہے درد بھرا حرف و صوت
رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

سوزِ دردِ دل کو جوں ہی کام میں لاتا ہے دل
نت نئی رنگین سی دنیا بساتا ہے دل
خونِ جگر کے طفیل روشنی پاتا ہے دل
قطرۂ خونِ جگر سِل کو بناتا ہے دل
خونِ جگر سے سدا سوز و سرور و سرود

کیوں نہ بھر دل پے بہ پے آہ و فغاں قلب دوز
ایسے پیارے موقعے آتے نہیں روز روز
تجھ سی عمارت حسیں دیکھی نہیں تھی ہنوز
تیری فضا دل فروز میری نوا سینہ سوز
تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی کشود

بارشِ انوارِ حق اس پہ کیا ہر دم نہیں
اس پہ کیا چھایا ہوا قدس کا عالم نہیں
کہنے کو یہ عرش سا اعظم و اکرم نہیں
عرشِ معلّٰی سے کم سینۂ آدم نہیں
گرچہ کفِ خاک کی حد ہے سپہرِ کبود

سجدوں سے آباد ہے عرشِ بریں کی فضا
لب پہ ملائک کے ہے ہر گھڑی حمد و ثنا
مجھ کو نہیں خوف یہ کہنے میں لیکن ذرا
پیکرِ نوری کو ہے سجدہ میسّر تو کیا
اس کو میسّر نہیں سوز و گدازِ سجود

پوچھے کوئی تو کہوں چیز ہے کیا ذوق و شوق
کرتا ہے دل کو سرور کیسا عطا ذوق و شوق
سب سے الگ اور جدا مجھ کو ملا ذوق و شوق
کافرِ ہندی ہوں میں دیکھ میرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق کی مستی مری جادو بھری نے میں ہے
اس میں جو اک کیف ہے جام میں نہ مے میں ہے
شوق کی مستی کا رس میری ہر اک شے میں ہے
شوق مری لے میں ہے شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ہو میرے رگ و پے میں ہے

تیرے درو بام ہیں کتنے حسین و جمیل
تیری ہوا خوشگوار تیری فضا بے عدیل
تجھ سی نہیں دہر میں کوئی عمارت شکیل
تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

دید سے تیری ملا جان کو بے حد سرور
لطف کا باعث ہے تو بہر دلِ ناصبور
تیرا ہر اک گوشہ ہے اپنی جگہ رشکِ طور
تیرے درو بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل

اپنے لہو سے یہاں اس نے جو روشن کیے
آندھیوں کی زد پہ بھی بجھتے نہیں وہ دیے
سخت بلاؤں میں یہ لاکھ گھرنے کو گھرے
مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِّ کلیم و خلیل

قلب کو اس کے ملا درد و الم کا وفور
سوزِ یقیں نے دیا اس کو عجب رنگ و نور
اس کے جنوں کی ہے دھوم ہر طرف نزدیک و دور
اس کی زمیں بے حدود اس کا اُفق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج دجلہ و دینوب و نیل

اس کے سہارے عجیب اس کے ٹھکانے غریب
اس کے ہیں نغمے عجیب اس کے ترانے غریب
اس کے موت و زندگی کے ہیں بہانے غریب
اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اس نے پیامِ رحیل

یہ تو ہے منجملۂ زمزمہ سنجانِ شوق
اس نے سجا ڈالے ہیں کتنے ہی ایوانِ شوق
قلب جری اس کا ہے حاملِ طوفانِ شوق
ساقیِ اربابِ ذوق فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

وردِ زباں اس کے ہے شام و پگاہ لا الٰہ
دل سے لگا رکھتا ہے یہ بے کلاہ لا الٰہ
اس کے لئے باعثِ حشمت و جاہ لا الٰہ
مردِ سپاہی ہے یہ، اس کی زرہ لا الٰہ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الٰہ

جوشِ عمل سے ہوا دہر میں یہ سرفراز
اہلِ جہاں کے لئے اس کا عمل وجہ ناز
اس کے عمل سے تیرا پیکر جلوہ طراز
تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز
اس کے دلوں کی تپش اس کی شبوں کا گداز

تجھ کو بنا کر کیا اس نے کمالِ عظیم
تو ہی ہے اس کا مظہر جاہ و جلالِ عظیم
تجھ سے نمایاں ہوا اس کا جمالِ عظیم
اس کا مقام بلند اس کا خیالِ عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز

عرصۂ کار اس کا ہے کارگہِ شش جہات
خوب ہوئیں ایک جا اس میں الٰہی صفات
نائبِ ذاتِ خدا کیوں نہ ہو پھر اس کی ذات
ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہات
غالب و کارآفریں، کارکشا کارساز

جود و سخا میں ہے یہ قطرۂ دریا صفات
وسعتِ اخلاق میں ذرۂ صحرا صفات
ذات ہے مومن کی اک ذاتِ بے ہمتا صفات
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

سیرت و کردار میں یہ ہے سراپا جمیل
خودگر و خود آشنا، خودنگر و خود کفیل
اپنی نگاہوں میں یہ ہوتا نہیں خود ذلیل
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نظر دل نواز

مردِ قلندر ہے یہ نیک دل و نیک خو
پیکرِ صبر و رضا، قائل لَا تَقْنَطُوْا
جہد و عمل سے سدا گرم رکھتا ہے لہو
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

روشنیٔ دل سے ہے تابناک اس کی جبیں
خاتمِ عالم ہیں ذات اس کی مثالِ نگیں
اس کے بلند حوصلے ضامنِ فتحِ مبیں
نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

بے نیازِ این و آں مردِ صاحب دل ہے وہ
جس کو کہنا ہے جہاں مومنِ کامل ہے وہ
درحقیقت مستیٔ کردار کا حامل ہے وہ
عشق کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

حُسن کے ہیں شاہکاریوں تو کئی بر زمیں
اے حرم قرطبہ تیرا کوئی ثانی نہیں
تو نے بڑھا دی بہت عزت و ناموسِ دیں
کعبۂ اربابِ فن سطوتِ دینِ مُبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں

خوشنمائی میں ہے تو رُوکشِ بدرِ مُنیر
تو ہے بہر زاویہ دلفریب و دل پذیر
لائقِ تحسین ہے تیرا جمالِ شہیر
ہے تہِ گردوں اگر حُسن میں تیری نظیر
قلبِ مسلماں میں ہے، اور نہیں ہے کہیں

ذات سے جن کی بڑھا آدمیت کا وقار
جن سے ہوئی جلوہ پاش دین و ایماں کی بہار
سادہ دل و خوش نظر خوش صفات و جاندار
آہ وہ مردانِ حق و عربی شہسوار
حاملِ خلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقیں

پاکیٔ قلب و نظر جن کو ہوئی تھی نصیب
جو کبھی بھٹکے نہیں فتنہ و شر کے قریب
سادہ لوحی میں بھی تھی دل کشی جن کی عجیب
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے شاہی نہیں

جن کو ملا تھا عجب حوصلۂ شوقِ حرب
فتنہ گروں کے لئے اک بلا تھی جنکی ضرب
دُور ہوئے بے گماں جن سے سبھی درد و کرب
جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں

وہ جو بنا کر رہے آدمی کو آدمی
تیرہ جہاں کو ملی جن سے بڑی روشنی
جن کی نگاہیں بنیں سر چشمۂ زندگی
جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں

ہو گیا ہے یوں بہت دہر میں قحط الرّجال
آج بھی ہیں لوگ یاں خوش مزاج و خوشخصال
آج بھی ہے دلربا نظروں کا سحر حلال
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

آج بھی لطف و کشش اس کی اداؤں میں ہے
ایک جادو سا اثر اس کی فضاؤں میں ہے
آج بھی آوازِ حق اس کی خلاؤں میں ہے
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اے عظیم المرتبت مسجد عظمت نشاں
سطوت و شانِ خدا تجھ سے ہوتی ہے عیاں
تیرا ہر اک ذرّہ ہے غیرتِ دہِ کہکشاں
دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

مہر میں وہ بات ہے نہ مہِ کامل میں ہے
بات جو تیرے در و بام کی جھلمل میں ہے
عظمتِ رفتہ کا ذکر آج ہر محفل میں ہے
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلا خیز کا قافلۂ سخت جاں

انقلابِ نو بہ نو آئے یہاں بالیقیں
جن سے اہلِ مرتبہ ہو گئے چیں بر جبیں
شورشوں سے دہر کا گوشہ کوئی خالی نہیں
دیکھ چکا المنی شورشِ اصلاحِ دیں
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقشِ کہن کے نشاں

کیسے کیسے لوگ بھی کھا چکے آخر شکست
زیر انھیں کر چکے خود انھیں کے زیر دست
نامیوں کے مٹ گئے نام و نشاں ایک لخت
حرفِ غلط بن گئی عظمتِ پیر کنشت
اور ہوئی فکر کی کشتیِ نازک رواں

چاہتی ہے انقلاب فطرتِ ہر شیخ و شاب
کوئی نہ کوئی انقلاب ہو بہر صورت شتاب
سینۂ عالم میں ہے انقلابی پیچ و تاب
چشمِ فرانسیس بھی دیکھ چکی انقلاب
جس سے دِگرگوں ہوا مغربیوں کا جہاں

نشۂ ثروت میں تھے جس کے امیر و کبیر
جس کے غریبوں کو تھا اندیشۂ دار و گیر
دامِ روایات میں آج تک ہے جو اسیر
ملّتِ رومی نژاد کہنہ پرستی سے پیر
لذّتِ تجدید سے وہ بھی ہوئی پھر جواں

جس سے رموزِ حیات ہو کے رہے بے نقاب
سرکشوں کا زہرہ بھی جس سے ہوا آب آب
جس کی تب و تاب بھی باعثِ صد انقلاب
رُوحِ مسلماں میں ہے آج وہی اضطراب
رازِ خدائی ہے کیا کہہ نہیں سکتی زباں

شورشوں کا سلسلہ جاری ہے صُبح و مسا
سطحِ زمین پر سدا اُٹھتا ہے فتنہ نیا
زیرِ فلک حشر سا حشر ہے ہردم بپا
دیکھئے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا
گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

پیش نظر آگیا منظر خوش آب و تاب
جس سے سکوں روح کو مل رہا ہے بے حساب
ہوگیا ہے واہ کیا حُسنِ عجب بے نقاب
وادیٔ کہسار میں غرقِ شفق ہے سحاب
لعل بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ گیا آفتاب

بازیٔ اُلفت میں ہے اور ہی کچھ ہار جیت
اور ہے اس کا رواج اور ہی ہے اس کی ریت
جانے اسے درد کیا دے گیا ہے اِسکا میت
سادہ و پُرسوز ہے دخترِ دہقاں کا گیت
کشتیٔ دل کے لیے سیل ہے عہدِ شباب

منظرِ رنگیں نے کی دل کو عطا سرخوشی
چشم تو پھر چشم ہے رُوح بھی لہرا اُٹھی
بیٹھے بٹھائے بایں کیفیتِ سرمدی
آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب

رنگ کچھ آئے گا اور دہر کی تصویر میں
آب و تاب آئے گی اور زیست کی تنویر میں
انقلاب آئے گا اور اس جہانِ پیر میں
عالم نَو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

کام لوں جو حق پسند نطق شعلہ بار سے
آگ سی لگ جائے گی گرمیٔ گفتار سے
سُننے والے کانپ اٹھیں لفظوں کی جھنکار سے
پردہ اُٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

شدتِ غم ہے کبھی اور کبھی فرطِ خوشی
ایک سی حالت یہاں رہتی نہیں ہے کبھی
دکھاتی ہے زندگی رُوپ نیا ہر گھڑی
جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ اُمم کی حیات کشمکشِ انقلاب

آپ ہے اپنی مثال جذب و وفا میں وہ قوم
بے نظیر و لاجواب صدق و صفا میں وہ قوم
معتبر و مستند چشمِ خدا میں وہ قوم
صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

ہوتا نہیں نیک نام خونِ جگر کے بغیر
خواب ہے اعلیٰ مقام خونِ جگر کے بغیر
بنتا نہیں کوئی کام خونِ جگر کے بغیر
نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

اشاعتِ اول (۱۰۰۰)

۱۹۷۳ء

ناشر * ایاز الرحمٰن خاں

طباعت * نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چارکمان حیدرآباد

کتابت * محمد ولی الدین (مولوی فاضل) خوش نویس

ملنے کا پتہ * ۱۱، اسٹارکی ٹاؤن ناگپور (۱)

قیمت * چار روپے